38

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

18 تا 24 شوال 1431ھ/28 ستمبر تا 4 اکتوبر 2010ء

اس شمارے میں

عافیہ انسانیت اور عافیت

قرآن سے تعلق کیسے برقرار رکھا جائے؟

آبادی نہیں، آبادکاری

اگر قرآن کی آواز
لندن اور واشنگٹن میں سنی جائے تو......

ماہِ صیام کے ثمرات کو برقرار رکھیے!

افغانستان پر یلغار

اللہ کے خوف سے تر آنکھوں کو امان ہے

ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کا اعجاز

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

پانچ خوفناک خرابیاں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: ''اے جماعت مہاجرین! پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر تم اُن میں مبتلا ہو گئے (تو پھر تمہیں اُن کی سزا مل کر رہے گی) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ پانچ بری خصلتیں تمہارے اندر پیدا ہوں۔

(1) جب کسی قوم میں بے حیائی اور بدکاری علانیہ ہونے لگے تو اُن میں طاعون اور بعض دیگر ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جو اُن کے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں ہوتی تھیں۔

(2) اگر کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اُن پر قحط اور خشک سالی مسلط کر دیتا ہے اور وہ ظالم اقتدار کا نشانہ بنتی ہے۔

(3) جب لوگ زکوٰۃ دینے سے ہاتھ کھینچ لیں تو اُن پر آسمان سے پانی برسنا رُک جاتا ہے۔ اگر اُس علاقے میں جانور یا چرند پرند نہ ہوں تو وہ یکسر بارش سے محروم کر دیئے جائیں۔

(4) جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسولؐ سے عہد شکنی کرتی ہے تو اُن پر (غیر مسلم) دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے، جو اُن سے بہت کچھ چھین لیتے ہیں۔

(5) اور اگر قوم کے حاکم کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں (شریعت کو نافذ نہ کریں) تو اُس معاشرے میں اللہ پھوٹ ڈال دیتا ہے اور وہ آپس میں لڑنے اور کشت وخون کرنے لگتے ہیں۔''

رواہ ابن ماجہ

سورۃ التوبہ

(آیات:36،37)

ڈاکٹر اسرار احمد

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــــُٔـوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

’’اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں (بارہ ہیں یعنی) اس روز (سے) کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ کتاب اللہ میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں۔ ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا راستہ ہے۔ تو ان (مہینوں) میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو، جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ (کرتا) ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام۔ تاکہ ادب کے مہینوں کی جو اللہ نے مقرر کیے ہیں گنتی پوری کر لیں اور جو اللہ نے منع کیا ہے اس کو جائز کر لیں۔ ان کے برے اعمال ان کو بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔‘‘

اللہ کی کتاب شریعت میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے، تقویمی طور پر بھی اور تشریعی طور پر بھی۔ پھر جس دن سے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے محترم ہیں، جنہیں اشہر حرم کہتے ہیں۔ اِن میں جنگ وغیرہ جائز نہیں تھی۔ یہ ہمیشہ کا ضابطہ اور قانون ہے۔ تو ان مہینوں کے معاملے میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ قریش یہ ظلم کیا کرتے تھے کہ جب کوئی مصلحت ہوتی، کوئی لڑائی کا معاملہ ہوتا یا کوئی مہم بھیجنا ہوتی تو کہتے کہ اس سال ’’اشہر حرم‘‘ فلاں کے بجائے فلاں مہینے ہوں گے۔ کیلنڈر میں الٹ پھیر کرتے رہتے تھے۔ اس حوالے سے کیلنڈر خراب تھا۔ مگر قدرت خداوندی سے ایسا ہوا کہ جس سال آپؐ نے حج کیا، اس سال وہ ساری غلطیاں اور الٹ پھیر خود بخود صحیح ہو گئیں اور کیلنڈر درست ہو گیا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ یہ زمانہ اور کیلنڈر پورا چکر لگا کر ساری غلطیوں اور ترمیموں میں سے ہو کر اب ٹھیک اسی جگہ پہنچ گیا ہے کہ جس تقویم پر اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا، اور آج کے بعد ان مہینوں میں کوئی الٹ پھیر نہیں ہو سکے گا۔ اور مشرکوں سے اکٹھے ہو کر جنگ کرو ایسے ہی جیسا کہ وہ تم سے اکٹھے ہو کر اور جُڑ کر جنگ کرتے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

اشہر حرم کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ادھر ادھر کر دینا کفر کی بڑھائی ہوئی بات ہے۔ اس کے ذریعے سے وہ لوگ گمراہ ہوئے جنہوں نے کفر کیا۔ قریش اشہر حرام میں ردو بدل کر دیتے تھے۔ جب کسی زور آور قبیلے کا محرم میں جنگ کا ارادہ ہوتا تو اُس کا سردار یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرام سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا جاتا کہ اس سال حسب دستورِ قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے مگر اِن میں ردو بدل کر لیا کرتے تھے۔ حرمت والے مہینے چار ہیں۔ پس وہ حلال کر لیتے وہ مہینہ جو اللہ نے حرام کیا ہے۔ اسی طرح ان کے بُرے اعمال ان کی نگاہوں میں مزین کر دیے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہاں وہ پانچ رکوع ختم ہوئے کہ جن کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی بعثت خاصہ الی العرب کی تکمیل سے ہے۔ اس کے مقاصد پورے ہو گئے۔ اس ضمن میں آخری احکام دے دیے گئے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بُخل کی ممانعت

عَنْ أَسْمَاءَ ؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((أَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ، وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ، اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ)) (بخاری و مسلم)

حضرت اسماء ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم خرچ کرو اور شمار نہ کرو، ورنہ اللہ بھی تمہیں شمار کر کے دے گا اور بخل نہ کرو (وگرنہ) اللہ بھی تم سے روک لے گا۔ استطاعت کے مطابق خرچ کرتی رہو۔‘‘

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 — 18 تا 24 شوال 1431ھ — 28 ستمبر تا 4 اکتوبر 2010ء — شمارہ 38

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا.......... (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادار یہ

ایوب بیگ مرزا

عافیہ انسانیت اور عافیت

عالمِ اسلام پر کیا بیت رہی ہے۔ قبلہ اوّل کو کھوئے ہوئے نصف صدی ہونے کو ہے۔ مسجد اقصیٰ میں نماز یہودیوں کی اجازت سے پڑھی جاسکتی ہے۔ فلسطینیوں کو بے گھر کر کے یہودی بستیاں آباد ہو رہی ہیں۔ احتجاج کرنے والے فلسطینی لڑکوں پر اسرائیلی ٹینک گولے برسا رہے ہیں۔ فلسطینیوں کی ایک آبادی کو محاصرے میں لے کر انہیں زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بچے دودھ اور دوا کے لیے بلک رہے ہیں۔ اِدھر جنوبی ایشیا میں یوں تو بھارت نے سارے ملک میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے لیکن جنت نظیر وادیٔ کشمیر میں کشمیری نوجوانوں کا اتنا خون زمین میں جذب ہو چکا ہے کہ اگر آنے والے دنوں میں ٹھنڈے پانی کے چشمے خون اگلنے لگیں تو کسی کو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ ہزاروں نوجوان لاپتہ ہیں جنہیں کسی عدالتی کارروائی کے بغیر جیلوں میں اذیتیں دے کر ہلاک کیا جا رہا ہے۔ ایسی لرزا دینے والی اذیتیں کہ جس نوجوان قیدی کو موت اپنی آغوش میں لے لے دوسرے قیدی اُس کی قسمت پر رشک کرتے ہیں۔ بھارتی فوجیوں کو قانونی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس گھر میں چاہیں بلا اجازت بغیر وارنٹ داخل ہو سکتے ہیں۔ اسی آڑ میں ہزاروں کشمیری دوشیزاؤں کی عصمت بھارتی درندے تار تار کر چکے ہیں۔ معاشی طور پر کشمیریوں کو تباہ کرنے کے لیے امن وامان قائم کرنے کا بہانہ بنا کر کرفیو لگا دیا جاتا ہے۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ مسلمانوں کا قتلِ عام کر کے سیاسی اور مذہبی بنیادوں پر قتل وغارت کی ایسی تاریخ رقم کر رہا ہے کہ انسانی تاریخ ماضی میں ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کتنے قتل کر لیے ہوں گے چنگیز خاں اور ہلاکو خان نے تیر وتفنگ سے؟ امریکہ ایک ڈیزی کٹر سے انسانی لاشوں کے ٹکڑے فضا میں پھیلا دیتا تھا، کسی کا سر درخت کی شاخوں پر لٹکا ہوتا تھا اور کسی کا دھڑ پہاڑ کی چوٹی سے ملتا تھا۔ فاسفورس بموں سے گاؤں کے گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ ایسے وحشت ناک حملوں سے دونوں ممالک پر قبضہ کیا لیکن جب وہاں سے آزادی کی خاطر مزاحمت شروع ہوئی تو اُسے دہشت گردی کا نام دے کر خون کی ہولی کھیلی اور اب تک کھیل رہا ہے۔

مغرب جمہوریت کو انسانی ترقی کی معراج قرار دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جمہوریت انسان کے ذہنی اور شعوری ارتقا کی انتہا ہے، انسان کی آزادی، انسانوں کے مابین مساوات اور اُن کے حقوق کے حوالہ سے جمہوریت سے آگے کچھ نہیں ہے۔ جمہوری ممالک میں انسانی جان کا ہی احترام نہیں بلکہ حیوانوں کے تحفظ کے لیے انجمنیں ہیں، لیکن جمہوریت کے ساتھ یہ عجیب مذاق ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت ہے جو کشمیر میں انسانی خون کو انتہائی بیدردی سے بہا رہا ہے۔ امریکہ دنیا کی عظیم ترین جمہوریت سمجھی جاتی ہے۔ امریکی جمہوریت کو اپنے ایمان کا حصہ قرار دیتے ہیں، لیکن یہی امریکہ انسانوں کا سب سے بڑا قاتل ہے، اس کی انسانی خون کی پیاس مٹنے کو نہیں آ رہی۔ اسرائیل دنیا کی سب سے چھوٹی جمہوریت ہے لیکن کسی سے کم خونخوار نہیں ہے۔ عالمِ اسلام پر یہ کیا بیت رہی ہے۔ مسلمان کا خون دنیا کی ارزاں ترین شے کیوں بن گئی ہے؟ مسلمان عورت کی عزت سے کھیلنا اتنا آسان کیوں ہو گیا ہے؟ اس کی حقیقت جاننے سے پہلے ایک کہاوت سن لیں۔ ایک آرے سے ایک درخت کو کاٹا جا رہا تھا، کسی نے درخت سے کہا تو اتنا بڑا درخت اور ایک چھوٹا سا لوہے کا بلیڈ تجھے کاٹے جا رہا ہے؟ درخت نے کہا اس بلیڈ کی کیا جرأت ہے کہ یہ مجھے کاٹے، درحقیقت میرا بھائی لکڑی کا وہ دستہ جو اس بلیڈ کی پشت پر نصب ہے میں اُس کے ہاتھوں مارا جا رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمِ کفر کی پشت پر موجود ننگِ ملت، ننگِ وطن، غدار اور قوم فروش مسلمان حکمران مسلمانوں کی ذلت و رسوائی اور قتل و غارت کے ذمہ دار ہیں۔ قومی اور ملی مفاد کے یہ سوداگر مسلمان کے خون اور عزت کی قیمت وصول کر رہے

ہیں۔ امریکی ایجنٹ مشرف نے پاک سرزمین اور فضا افغانیوں کے قتل عام کے لیے امریکہ کے حوالے کردی۔ شمالی اتحاد نے امریکہ کو افغانستان میں خوش آمدید کہا۔ کرزئی افغانیوں کی کھوپڑیوں پر تخت سجا کر بیٹھ گیا۔ کشمیر میں شیخ عبداللہ خاندان کشمیریوں کی لاشوں پر رقصاں ہے۔ یہ خاندان اپنی مسلمان بہنوں اور کشمیر کی بیٹیوں کی عزت وعصمت بھارتی درندوں کے ہاتھوں تباہ و برباد کروانے کے لیے اُن سے مکمل تعاون کر رہا ہے۔ محبوبہ مفتی کیا خوب نام ہے، کشمیر میں اپوزیشن کا رول ادا کرتے ہوئے عمر عبداللہ کو ناقص منتظم کا طعنہ دے رہی ہیں۔

تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ امریکی عدالت نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 86 سال قید کی سزا سنا دی ہے۔ قوم کی اس انتہائی ذہین اور نیک بچی کو ہمارے ایک بدبخت بدقماش اور بدنیت حکمران نے اپنی کرسی کی مضبوطی کی خاطر اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ شائستگی اور قلم کی حرمت اجازت نہیں دیتی وگرنہ موجودہ حکمرانوں کے لیے کچھ بڑھ کر القاب استعمال کیے جانے چاہئیں تھے، کیونکہ بقول عافیہ کی بہن کے مشرف نے عافیہ کو ایک بار بیچا تھا اِنہوں نے اِسے بار بار بیچا ہے۔ یعنی جان بوجھ کر ایسے مواقع گنوا دیئے جن سے فائدہ اُٹھا کر اُسے رہا کروایا جا سکتا تھا۔ کاش! عزت وعصمت، غیرت وحمیت اور شرافت کے نام سے ناآشنا مشرف کو اُس وقت تصور میں اپنی بیٹی آجاتی جب اُس نے عافیہ کو کراچی سے اسلام آباد جاتے ہوئے ایجنسیوں کے ذریعے اُٹھوا کر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن امریکہ کے حوالے کیا تھا۔ لیکن ایسا کیونکر ممکن تھا؟ بے غیرتی ایمان کا وہی حشر کرتی ہے جو آگ سوکھی لکڑی کا کرتی ہے۔ کسی کو اچھا لگے یا برا، اس لیے کہ عوام کو کوئی دوش دینا فیشن کے خلاف ہے، جمہوری تقاضوں کے خلاف ہے، لیکن اللہ کرے ہمارا قلم اُس روز ٹوٹ جائے، اُس کی سیاہی سوکھ جائے جب ہم حق بات لکھنے سے گریز کریں۔ اُس قلم کی سیاہی قلمکار کے منہ پر تھوپ دینی چاہیے جو اقتدار کی طاقت یا عوام کی ناراضگی کے ڈر سے جان بوجھ کر خلافِ حقیقت بات لکھے۔ ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ اگرچہ اصل اور بڑے مجرم تو مسلمان حکمران ہی ہیں لیکن عام مسلمان کا جرم بھی قابلِ گرفت ہے کہ وہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ عام مسلمان شہری کو بڑی مجبوریاں ہیں، اُس کے راستے میں ایسے کانٹے بچھا دیئے گئے ہیں کہ وہ اُنہیں چنتا ہوا زندگی تمام کر لیتا ہے، لیکن پھر بھی اُسے جاننا چاہیے کہ قومیں افراد سے بنتی ہیں، ہمت جرأت اور قربانی کے بغیر کوئی منزل حاصل نہیں ہوتی۔ خون کے دریا عبور کیے بغیر اور مصائب والآم کے پہاڑ سر کیے بغیر منزل ہاتھ نہیں لگ سکتی۔ اُسے اِن منافقوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا اور عالم کفر کے خلاف قتال کے لیے قوت فراہم کرنا ہوگی۔ یہی ہمارے اسلام کا تقاضا ہے، یہی ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ شیطانی قوتوں کا راستہ نہ روکا گیا تو یہ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے سے گریز نہیں کریں گی۔ حکمرانوں کی غیرت جاگنے کا کوئی امکان نہیں عوام ہی کو اٹھنا ہوگا، لیکن اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے، اس سے پہلے کہ رکاوٹیں دیوارِ چین کی صورت اختیار کر جائیں، اس سے پہلے کہ موت کے آثار واضح ہو جائیں کہ ایسی صورت میں توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، آیئے، سب مل کر توبہ کریں، اپنے انفرادی اور اجتماعی گناہوں کی معافی مانگیں۔ آیئے، رجوع کریں اللہ قادرِ مطلق کی جانب، آیئے، اللہ کی کتاب کو اپنا امام بنائیں۔ آیئے، رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اوڑھنا بچھونا بنا لیں۔ یہی دنیوی سربلندی اور اُخروی نجات کا راستہ ہے۔ ہم آخر میں قارئین کو ایک خوشخبری سنائے دیتے ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی کریں معلوم ہوگا کہ جب کوئی سپر پاور زوال پذیر ہونے لگتی ہے تو سب سے پہلے اخلاقی لحاظ سے زوال پذیر ہوتی ہے۔ عافیہ جیسی بے گناہ اور معصوم خاتون کو ظالمانہ انداز میں سزا دینا اخلاقی گراوٹ کی انتہا اور امریکی قوت کے زوال کا آغاز ہے۔ امریکی مظالم سے دنیا کو نجات حاصل ہوگی تو عافیہ ان شاء اللہ انسانیت کے لیے عافیت کا باعث بنے گی۔ ان شاء اللہ!

بیانیہ مجلس اسرار

سود کی حرمت اور گناہ

سود کی حرمت کا معاملہ قابل غور ہے۔ اس کی حکمت وعلت کو سورۃ الروم کی آیت 39 میں حد درجہ اختصار اور غایت درجہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سود یا ربا یہ ہے کہ کسی شخص کا سرمایہ کسی دوسرے شخص کے مال میں نشوونما پائے اور افزائش وافزودگی حاصل کرے۔ ﴿لِيَرْبُوَا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾۔ اور یقیناً یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سود کو ''زنا'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لیے کہ زنا کی صورت میں بھی مرد کا نطفہ اپنی منکوحہ بیوی کی بجائے ناجائز طور پر کسی دوسری عورت کے رحم میں پرورش پاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک شریف انسان زنا کا تو لفظ بھی زبان پر لانے سے ہچکچاتا ہے جبکہ سود کو عام طور پر ماں کے دودھ کے مانند مباح بنا لیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ زنا کے بُرے اثرات زیادہ تر انفرادی یا معاشرے کی زیریں سطح تک محدود رہتے ہیں جبکہ سود کے ذریعے ''سرمایہ داری'' کی لعنت پورے معاشرے پر آکاس بیل کی طرح چھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے سود کو زنا سے سینکڑوں گنا زیادہ قبیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ربا کے گناہ کے ستر حصے ہیں جن میں سے سب سے چھوٹا اور حقیر حصہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے!'' اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سود پر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی جانب سے اعلانِ جنگ کی بایں الفاظ وعید سنائی ہے: ''اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے'' (البقرۃ: 279) اس معاملے کو سادہ ترین انداز میں یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی سرمائے سے کاروبار کر رہا ہو اور اس میں محنت بھی یا صرف اس کی اپنی ہو یا دوسرے انسانوں سے معین روزانہ اجرت یا ماہانہ تنخواہ کے عوض، تو اس معاملے میں نہ کوئی معاشی یا مالیاتی پیچیدگی ہے نہ شرعی قدغن۔ اسی طرح اگر بہت سے لوگ اپنا سرمایہ بھی جمع کر لیں اور سب مل جل کر کام بھی کریں اور نفع ونقصان میں شریک ہو جائیں تو یہ ''شراکت'' بھی ہر اعتبار سے حلال وطیب ہے اور اس کی اساس پر بڑے سے بڑے پیمانے پر تجارت اور صنعت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اصل مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں محنت کسی اور کی ہو اور سرمایہ کسی اور کا۔ چنانچہ اس معاملے میں ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اپنی ابتدائی صورت میں تو بڑی ''معصوم'' نظر آتی ہیں، لیکن ان کے نتیجے میں معاشرے میں طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے اور ظلم، جبر اور استحصال کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ ان پیچیدگیوں کے ضمن میں شریعت اسلامی کا اصل الاصول تو یہ ہے کہ اس کے نزدیک سرمایہ کو As such یعنی محض سرمائے کی حیثیت سے ''کماؤ'' یعنی earning agent تسلیم کیا جانا ''ناپسند'' ہے۔ چنانچہ اس کی ایک انتہائی صورت کو تو اس نے سود یا ربا قرار دے کر صرف حرام مطلق ہی نہیں بلکہ اتنا حرام قرار دیا ہے کہ سوائے شرک جلی کے کوئی اور عمل اتنا حرام نہیں ہے۔ اور ایک صورت (مضاربت) کو سماجی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے تو اس میں سرمائے کے لیے رسک کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ محض منفعت کا طالب سرمایہ کبھی اس کی جانب رخ ہی نہیں کرے گا۔

قرآن حکیم سے تعلق کیسے برقرار رکھا جائے؟

17 ستمبر 2010ء مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا خطابِ جمعہ

[سورۃ النساء اور سورۂ ص کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

برادرانِ اسلام! رمضان کا بابرکت مہینہ رخصت ہوگیا ہے۔ یہ روزے کا مہینہ تھا ہی، اضافی طور پر یہ قرآن مجید سے تجدیدِ تعلق کا مہینہ بھی تھا۔ رمضان کا قرآن سے گہرا تعلق ہے، اس لیے کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ بحمد للہ، ہم مسلمانوں کی رمضان میں قرآن سے تعلق کی تجدید ہوئی۔ تجدیدِ تعلق کی ایک صورت یہ ہوئی کہ بہت سے لوگوں نے تراویح میں قرآن سنا۔ پھر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سننے کے ساتھ ساتھ ترجمۂ قرآن کی سماعت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید سے اس تعلق کو کیسے برقرار رکھا جائے؟ قرآن حکیم سے تعلق کے حوالے سے ہمارا مستقل رویہ کیا ہونا چاہیے؟ اس بات کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو کتاب مقدس کا درجہ تو دیا مگر اُسے کتاب ہدایت نہیں سمجھا۔ حالانکہ یہ کتاب ہدایت ہے، اور ہدایت ہی انسان کی یہ سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کے لیے ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ ''(اے اللہ) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔'' قرآن حکیم ہمیں اسی دُعا کے جواب میں عطا کیا گیا ہے۔ یہ انتہائی عظیم کتاب ہے۔ اس کی عظمت کا ہم کما حقہٗ ادراک ہی نہیں کر سکتے۔ یہ کتاب مجید، عزیز اور حکیم ہے۔ اس کی عظمت کے بیان کے لیے سورۃ الحشر کی آیت 21 ہی کا حوالہ کافی ہے، جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''چاہیے کہ آدمی اپنے کو بہشت کا مستحق ثابت کرے، جس کا راستہ قرآن کریم کی ہدایت کے سامنے جھکنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مقامِ حسرت و افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو۔ حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اُتارا جاتا اور اُس میں سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔''

سنتے سنتے نغمۂ ہائے محفلِ بدعات کو
کان بہرے ہوگئے، دل بدمزہ ہونے کو ہے!
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی
پارہ پارہ جس کے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے!
حیف گر تاثیر اُس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا ہونے کو ہے!

یہ کتاب ہمارے لیے نور اور ہدایت ہے، اس اعتبار سے یہ ہم پر اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اس لیے کہ اس نور کی روشنی میں، اس کی رہنمائی میں چل کر ہم اپنی اصل، دائمی اور حقیقی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔ سورۂ یونس میں کتاب الٰہی کے بارے میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

''لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے۔''

یہاں قرآن حکیم کی چار صفات بتائی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ ''موعظہ'' ہے، اللہ کی طرف سے نصیحت اور واضح پیغام ہے جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ ''شفاء لما فی الصدور'' یعنی دلوں کی بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا ہے۔ باطنی امراض جو انسان کے دین کے راستے پر چلنے میں مانع ہوتے ہیں، مثلاً حُبِّ دنیا، حُبِّ جاہ، حبِّ مال، حسد، تکبر، تعصب اور عُجب یہ قرآن اُن کا بھی علاج ہے۔ یہ امراض انسان کے لیے انتہائی مہلک ہیں، اس لیے کہ جب یہ انسان کو گھیر لیتے ہیں تو پھر خواہ اُس پر ہدایت منکشف ہو بھی جائے، وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے ان روگوں کا علاج کیا جائے۔ قرآن انسان کی اس ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے۔ یہ قرآن ہدایت ہے۔ انسان کی اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، نارِ جہنم سے بچ جانا ہے، اس کامیابی کی اساس اور بنیاد آسمانی ہدایت ہے۔ یہ ہدایت اور رہنمائی قرآن فراہم کرتا ہے۔ یہ کتاب ''رحمت'' ہے۔ لیکن یہ رحمت اُن لوگوں کے لیے ہے جو صاحبِ ایمان ہوں، جو اس کے قدر دان ہوں، جو اُس کا حق ادا کریں۔ ہم دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو کتاب مقدس کا درجہ تو دیا مگر اسے کتاب ہدایت نہیں سمجھا۔
حالانکہ یہ کتاب ہدایت ہے اور ہدایت ہی انسان کی یہ سب سے بڑی ضرورت ہے

اللہ کی رحمت کا محتاج ہیں۔ مگر یہ رحمت اُسی صورت میں ہمارے شاملِ حال ہوگی جب ہم اللہ کی کتاب کے ساتھ مضبوط تعلق استوار کریں۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قرآن جیسی عظیم نعمت عطا فرمادی اور انہیں اتنے بڑے فضل سے نواز دیا تو انہیں چاہیے کہ اِس پر خوشیاں منائیں۔ اگلی آیات میں یہی بات فرمائی گئی ہے:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ ﴾ (سورۂ یونس)

''کہہ دو کہ (یہ کتاب) خدا کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

اللہ کی عطا کردہ نعمتیں تو بے شمار ہیں، مگر صرف اس نعمت کے عطا کیے جانے پر فرمایا گیا کہ مومن اس پر خوشیاں منائیں۔ یہ الفاظ صرف اور صرف قرآن حکیم کے بارے میں آئے، اس لیے کہ قرآن دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جسے یہ نعمت مل گئی، اُسے سب سے بڑی نعمت حاصل ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کو قرآن جیسی دولت حاصل ہوگئی، اُس نے پھر بھی یہ سمجھا کہ کسی اور کو اللہ نے اُس سے بہتر نعمت عطا کی تو اُس نے قرآن کی قدر نہیں کی۔

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ قرآن نعمت ہدایت اور سب سے بڑی نعمت ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اس ہدایت سے فائدہ کیونکر اُٹھایا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں سورۃ النساء کی آیات 174، 175 سے ملتا ہے۔ فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝۱۷۴ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۱۷۵ ﴾

''لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل (روشن) آچکی ہے۔ اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کو) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (کے دین کی رسّی) کو مضبوط پکڑے رہے، ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل (کے بہشتوں) میں داخل کرے گا اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔''

یعنی قرآن برہان، ایک واضح پیغام اور نورِ ہدایت ہے، لیکن اس نورِ ہدایت سے اللہ انہی لوگوں کو فائدہ دے گا، اور انہی کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا جو اللہ پر ایمان لائیں اور اس کتاب کو مضبوطی سے تھامیں گے۔ معلوم ہوا کہ نعمت ہدایت سے استفادہ کے دو تقاضے ہیں۔ ہدایت سے استفادہ کا پہلا تقاضا ایمان ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ پر پختہ یقین ہو، اُس کی کتاب پر ایمان ہو۔ اگرچہ ہم میں سے ہر شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، مگر یہ ایمان محض ایک موروثی عقیدہ ہے جو ہمیں اپنے والدین سے مل گیا ہے اور بس! حقیقی ایمان تو یہ ہے کہ ہم دل سے اس بات پر یقین رکھیں کہ یہ شہنشاہ ارض و سماوات کا کلام ہے جو میری اور تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے، اور یہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ ایمان ہمارے دلوں میں جاگزیں ہوجائے تو قرآن کے ساتھ ہمارا رویہ وہ کبھی نہ ہوگا جو ہم روا رکھے ہوئے ہیں بلکہ ہمارا طرزِ عمل اِس سے یکسر مختلف ہوگا۔ پھر تو ہمارا اوڑھنا بچھونا قرآن بن جائے گا۔

ہم میں سے ہر شخص کو اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم اللہ پر اور اُس کی کتاب پر ایمان کا تقاضا پورا کر رہے ہیں یا نہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ہم یہ تقاضا پورا نہیں کر رہے۔ اگرچہ ہمارا شمار مسلمانوں میں ہے، مگر ہمیں وہ ایمان حاصل نہیں جو مطلوب ہے۔ اسی لیے تو قرآن حکیم میں حکم دیا جاتا ہے کہ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾

پریس ریلیز: 22 ستمبر 2010ء

ملک میں بڑھتی ہوئی امریکی مداخلت ملکی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے

ابھی وقت ہے کہ ہم اہل مغرب کی غلامی سے نجاتِ حاصل کر کے قومی اور اجتماعی سطح پر توبہ کریں

حافظ عاکف سعید

تنظیم اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے دو روزہ اجلاس میں ملک بھر سے آئے ہوئے اراکینِ شوریٰ نے ملکی حالات اور اپنے علاقائی مسائل پر روشنی ڈالی۔ اجلاس کے اختتام پر امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اپنے خطاب میں ملک کی معاشی صورتِ حال اور سیاسی عدم استحکام پر تشویش کا اظہار کیا۔ علاوہ ازیں ملک میں بڑھتی ہوئی امریکی مداخلت کو ملکی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ آج ہم سیاسی، معاشی اور معاشرتی دیوالیہ پن کا اس لیے شکار ہیں کہ ہم نے نظریاتی سطح پر انحراف کیا اور اللہ سے کیے گئے اس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا کہ ہم پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنائیں گے۔ ہم نے اللہ، اُس کے دین اور اُس کی کتاب سے رشتہ منقطع کر لیا اور امریکی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیا یہاں تک کہ امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے برادر اسلامی ہمسایہ ملک افغانستان میں مسلمانوں کے قتلِ عام میں امریکہ کا ہاتھ بٹایا۔ جس کا نقد نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف ہم زلزلے اور سیلاب کی صورت میں عذابِ الٰہی کی زد میں ہیں اور دوسری طرف حکومتی کرپشن، مہنگائی اور باہمی قتل و غارت نے ہمیں مکمل تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ابھی وقت ہے کہ ہم اہل مغرب کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ قومی اور اجتماعی سطح پر اللہ سے توبہ کریں۔ انفرادی طور پر حقیقی مسلمان بنیں اور ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کریں تو اب بھی دنیا میں سپر قوت کی حیثیت سے ابھر سکتے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

(النساء:136) ''مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں ﷺ) پر نازل کی ہے پر ایمان لاؤ'' آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غلبۂ اسلام کے بعد لوگ جُوق در جُوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ قبیلہ کا سردار ایمان لے آتا تو پورا قبیلہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ کہنے کو تو تم ایمان لے آئے ہو، مگر وہ ایمان کہاں جو السابقون الاولون کا تھا۔ اسلام میں داخل ہوئے ہو تو حقیقی ایمان لاؤ، دل میں یقین پیدا کرو۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایمان محض ایک موروثی عقیدہ کے طور پر ہے۔ یقین قلبی والا ایمان ہمیں کہاں حاصل ہے، جس کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ دلوں میں پختہ یقین پیدا کریں۔ اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اُس کی کتاب کے برحق ہونے پر ہمارا دل گواہی دے۔ جب ہمارے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہو جائے گی کہ یہ کتاب ہدایت ہے، یہ دستورِ زندگی ہے، جس کے مطابق ہمیں اپنی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دینا ہے، تو پھر ہمارا عمل بھی اس کتاب کے تابع ہوگا، پھر ہمارے شب و روز اس کی گواہی دیں گے۔

[illegible]

نعمت ہدایت سے استفادہ کا دوسرا تقاضا اعتصام بالقرآن ہے یعنی ہم قرآن کو مضبوطی سے تھامیں۔ اسی کا حکم ہمیں سورۂ آل عمران میں بایں الفاظ دیا گیا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

(آیت 103)

''اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو''۔

حدیث کے مطابق اللہ کی رسی سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اللہ کی یہ رسی انسان کو اللہ سے جوڑنے والی ہے، لہٰذا فرمایا گیا کہ سب مل کر اس کو مضبوط تھام لو۔ رہی یہ بات کہ قرآن کو کیسے تھامیں؟ اس کو کیونکر مضبوط پکڑیں؟ خود قرآن مجید میں مومنین صادقین اور سچے حاملین قرآن کے لیے جو باتیں آئی ہیں، اگر ہم اُن باتوں کو پورا کریں تو اعتصام بحبل اللہ اور تمسک بالقرآن کا تقاضا کسی نہ کسی درجے میں پورا ہو سکے گا۔

اعتصام بالقرآن کا پہلا تقاضا جو ایمان کے بعد قرآن کا پہلا حق ہے، یہ ہے کہ اس کتاب ہدایت کی بکثرت تلاوت کی جائے۔ فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾

(البقرة:121)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے، وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے۔''

قرآن پر پختہ ایمان ہو تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان قرآن کی تلاوت نہ کرے، اُسے کبھی کھولے ہی نہیں، کبھی کھولے بھی تو صرف ماہ رمضان میں اور بس! کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والے اور اس کے سچے قدر دانوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی بکثرت تلاوت کرتے ہیں، اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((واتلوہ حق تلاوته من اناء اللیل وانا النھار))

''رات اور دن کے اوقات میں قرآن کی تلاوت کرو، تلاوت کا حق ادا کرو۔''

تلاوت قرآن کے معاملے میں جو صحابہ کرام ؓ ٹاپ پر تھے، اُن کا معمول یہ تھا کہ ایک ہفتے میں تہجد کی نماز میں تلاوت قرآن حکیم کی تکمیل کیا کرتے تھے۔ گویا نماز تہجد میں روزانہ ایک منزل پڑھ کر ہفتے میں قرآن ختم کرنا تلاوت کا حق تھا۔ یہ ہے وہ معیار جو صحابہؓ نے قائم کیا تھا۔ ہمیں چاہیے کہ دین کے معاملے میں اعلیٰ سے اعلیٰ ترین معیار کو اختیار کریں۔ اگر ہم اس معیار پر پورا نہ بھی اُتریں تو کم از کم ایک پارہ تو ہمیں روزانہ تلاوت کرنی چاہیے، اگرچہ ابتدائی طور پر تلاوت کا آغاز ایک دو رکوعوں سے بھی کر سکتے ہیں۔ تلاوت کا کیا اجر و ثواب ہے، اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔

((اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْکِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَھُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ))

''قرآن مجید (پڑھنے) کے ماہر کا مقام تو باعزت فرشتوں کے ساتھ ہے اور وہ شخص جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے، اُس کے لیے دوہرا اجر ہے۔''

فرض کریں، ایک شخص عمر کے اس مرحلے پر پہنچ گیا ہے کہ اب قرآن نہیں سیکھ سکتا لیکن اب اُسے احساس ہوا کہ مجھے تلاوت کرنی چاہیے۔ وہ اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے، تو اُس کے نیک جذبے کی بنا پر اللہ نے اُس کو دوگنا اجر کی نوید سنائی ہے۔ لیکن اس چیز کو نوجوانوں کو اپنے لیے ڈھال نہیں بنا لینا چاہیے، کہ قرآن نہ سیکھیں، اور پوری عمر یونہی گزار دیں، اور یہ خیال کریں کبھی پڑھنا ہوا تو بھی اٹک اٹک کر پڑھ لیں گے۔ وہ نوجوان جو دنیوی کیریئر کے لیے، بیرون ملک اعلیٰ ملازمت کے لیے وہاں کی مشکل زبان چند مہینوں میں سیکھ لیتے ہیں، وہ اگر قرآن کی طرف کوئی دھیان نہ دیں، اُس کے صحیح پڑھنے کو ضروری نہ سمجھیں تو اُن کی یہ روش قرآن کی توہین کے مترادف ہوگی۔

تلاوت کے ضمن میں مَیں ایک اور نکتہ کا بھی اضافہ کروں گا۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی کہے کہ قرآن تو سمجھنے کے لیے ہے، میں نے ایک دفعہ پڑھ کر سمجھ لیا ہے، یہ اب کافی ہے۔ نہیں، اس پیغام قرآنی کو اپنے اندر جذب کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکم دیا جاتا ہے کہ اس کو بار بار پڑھو، اس کی بکثرت تلاوت کرو۔ اس سے بھی اہم تر بات یہ ہے کہ قرآن منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے۔ ہم مسلمانوں کو ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دلوں میں یقین پیدا کرو تو یہ یقین والا ایمان کہاں سے ملے گا۔ یاد رکھیے، اس کا ذریعہ بھی یہ قرآن ہے۔ جتنا زیادہ قرآن کی تلاوت کریں گے، اُسی قدر ایمان و یقین کی دولت ہاتھ آئے گی۔ لہٰذا یہ غلط فہمی دور کر لیجیے کہ ایک دفعہ پڑھ لیا تو سمجھ میں آ گیا۔ نبی کریم ﷺ جن کے قلب مبارک پر یہ قرآن نازل ہوا، اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہؓ سے بڑھ کر بھی (معاذ اللہ) کسی کو قرآن سمجھ میں آ سکتا ہے؟ آپ کا معمول کیا تھا؟ آپؐ دو تہائی رات کھڑے رہتے اور قرآن کو بار بار دہراتے تھے۔ پس ضروری ہے کہ ہم بھی قرآن کو بار بار پڑھیں، کثرت سے پڑھیں، تاکہ یہ ہمارے اندر جذب ہو۔ اسی سے ہمارے اندر تبدیلی آئے گی اور ہم دینی تقاضوں کو پورا کرنے اور دین حق کی خاطر جان و مال کی قربانی دینے پر آمادہ ہوں گے۔

(جاری ہے)

آبادی نہیں، آبادکاری

نورا کینہ قاضی

دورِ ایوبی سے لے کر اب تک یہ ''کان میں جالگتی ہے چھری سی'' راگنی کہ ''آبادی ہمارے ملک کا انتہائی سلگتا ہوا مسئلہ ہے۔'' ''بڑھتی ہوئی آبادی کا عفریت ہمارے تمام ملکی وسائل ہڑپ کررہا ہے۔'' ''آبادی کا بم پھٹنے کو ہی ہے۔'' سنتے سنتے اب بال سفید ہونے کو آگئے، اور یہ راگنی ہے کہ بدستور روزِ اول کی طرح پورے زور وشور کے ساتھ الاپی جارہی ہے اور مسئلہ جوں کا توں اپنی جگہ موجود ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عوام الناس کی اکثریت جو روشن خیال مسلمان نہیں ہے، قبل از پیدائش کی روک تھام اور قتل کو سخت گناہ اور حرام سمجھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر یقین رکھتی ہے کہ ''غربت کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔'' یہ حدیث شریف بھی انہیں ملحوظ رہتی ہے کہ ''اپنی تعداد کو بڑھاؤ تاکہ روزِ قیامت میں دوسرے انبیاء کے مقابلے میں اللہ کے سامنے تمہاری کثرت تعداد پر فخر کرسکوں۔'' آبادی بے شک بڑھ رہی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لیے پورے زور وشور سے کوشش کی جارہی ہیں۔ محکمہ بہبودِ آبادی کی شاخیں ملک کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے کارکن مرد وعورتیں ہر جگہ گھوم پھر کر ''بچے کم خوشحال گھرانہ'' کا فارمولا سمجھاتے اور اس پر عمل درآمد کی ترغیب دیتے پھرتے ہیں۔ لیکن برسہا برس کی مساعی کے باوجود آبادی بدستور بڑھ رہی ہے۔ یہ ضرور ہوا کہ اس کے بڑھنے کی رفتار اب گزشتہ ادوار کی طرح تیز نہیں۔ پھر بھی لاہور، کراچی، راولپنڈی، فیصل آباد، ملتان اور دیگر بڑے شہروں کو بے ہنگم طریقے سے میلوں تک پھیلتے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آبادی میں اندھا دھند اضافہ ہو رہا ہے، اس کا عفریت شہر پر شہر نگل رہا ہے، جبکہ درحقیقت ایسی بات ہرگز نہیں۔ ہمارے ملک کا اصل مسئلہ آبادی نہیں، آبادکاری ہے یعنی ٹاؤن پلاننگ۔

پاکستان بننے کے بعد سے حکمرانوں نے جہاں بہت سے مسائل کے حل کی طرف سے پہلوتہی کی وہاں شہروں اور قصبات میں آبادی کی منصوبہ بندی جیسے نہایت اہم مسئلے سے بھی صرفِ نظر کیے رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر بڑے بڑے شہروں کی آبادی میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ روزگار، تعلیم اور دیگر سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے دیہاتوں اور پسماندہ علاقوں کے لوگ بھاری تعداد میں وہاں منتقل ہوتے گئے۔ جس سے یہ شہر بے ہنگم طور پر پھیلتے اور گرد وپیش کے دیہات اور چھوٹی آبادیاں ہڑپ کرتے چلے گئے۔ ان کے رقبے کئی کئی میل تک وسیع ہوتے گئے۔ یوں ہماری آبادی کا غالب حصہ انہی چند بڑے بڑے شہروں میں سمٹ گیا اور باہر سے آنے والے انہیں دیکھتے ہوئے یوں سمجھنے لگے جیسے پاکستان میں آبادی بڑے سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

اگر ہمارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیا جائے، ہر جگہ گھوم پھر کر دیکھا جائے تو بڑے وسیع وعریض رقبے بنجر و ویران دکھائی دیں گے۔ اکثر مقامات پر پچاس پچاس بلکہ سینکڑوں میل تک کوئی آبادی نہیں دکھائی دے گی۔ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے، لیکن اس کی آبادی بے حد کم ہے جس کا غالب حصہ کوئٹہ شہر میں سمٹا ہوا ہے۔ اس سطح مرتفعائی وصحرائی صوبے میں گنتی کے چند چھوٹے شہروں اور دیہاتوں کو چھوڑ کر سینکڑوں میلوں کے رقبے بے آباد اور ویران پڑے ہیں۔ شمالی علاقوں، خیبر پختونخواہ میں بھی یہی مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ بڑے بڑے شہروں پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، مردان کو چھوڑ کر وسیع و عریض رقبے غیر آباد اور ویران پڑے ہیں۔ سندھ اور پنجاب کے شہروں میں آبادی کا زور نسبتاً زیادہ ہے۔ کراچی شہر تو یوں بے مہار طریقے سے پھیل گیا ہے کہ اس پر کسی چھوٹے ملک کا گمان ہونے لگا ہے۔ سندھ کے دیگر شہر حیدرآباد، ٹھٹھہ، روہڑی اور سکھر وغیرہ بھی بے لگام آبادکاری کے مناظر پیش کرتے ہیں۔ یہی حال پنجاب کے بڑے شہروں لاہور، ملتان، راولپنڈی، فیصل آباد، گوجرانوالہ، بہاولپور وغیرہ کا ہے۔ صرف شہر لاہور کا حد درجہ بے ہنگم اور بے قاعدہ پھیلاؤ دیکھ کر عجیب سی وحشت ہونے لگتی ہے۔

ہمارے بچپن کے دن لاہور میں گزرے ہیں۔ یہ گزشتہ صدی کی پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں کا زمانہ تھا۔ ہم وہاں آج کل کی انتہائی مصروف اور پرہجوم سڑک ٹیمپل روڈ پر رہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں اس سڑک پر بلکہ شہر کی کسی بھی سڑک پر ٹریفک کی ایسی ریل پیل نہ ہوتی تھی۔ اکثر سڑکیں زیادہ تر ویران ہی دکھائی دیتی تھیں۔ فضا میں نہ ہارنوں کا شور شرابا ہوتا تھا نہ مسافروں کا شور وغل۔ مضافاتی آبادیاں مثلاً سمن آباد، ماڈل ٹاؤن، مسلم ٹاؤن، گلبرگ انتہائی پرسکون، خاموش اور پرامن آبادیاں تھیں۔ جہاں پہنچنے والی سڑکوں پر برائے نام ہی ٹریفک ہوتی تھی۔ قرب وجوار کے دیہات کوٹ لکھپت، ٹھوکر نیاز بیگ، شاہدرہ، مریدکے، جیا بگا، والٹن محض سے دیہات ہی تھے۔ ان کے درمیان ہرے بھرے کھیتوں کے وسیع رقبے حائل تھے۔ ہمیں لاہور کے باہر کے شہروں میں بذریعہ ریل یا بس سفر کرتے ان دیہاتوں میں سے گزرتے، تاحدِ نگاہ پھیلتے چلے جانے والے ہرے بھرے کھیتوں اور باغات کے نظارے کرتے بے حد لطف آتا تھا۔ شہر کی آبادی چونکہ کم تھی، اس لیے وہاں کوئی سنگین قسم کے مسائل نہیں تھے۔ سکول، کالج، یونیورسٹیاں، ہسپتال، نجی وسرکاری دفاتر، کارخانے وفیکٹریاں تعداد میں کم تھے، لیکن ان کی فضا پرامن اور پرسکون تھی۔ عوام کی تفریح گاہیں چڑیا گھر، عجائب گھر، باغِ جناح، شالامار باغ، شاہی قلعہ اور جہانگیر کا مقبرہ، منٹو پارک موجودہ اقبال پارک بھی صحیح معنوں میں تفریح گاہیں تھیں، جن میں بہت کم ہجوم ہوتا تھا اور اسی طرح بھرپور تفریح کا لطف آتا تھا۔ وہ زمانہ وضعداری، رکھ رکھاؤ، خلوص اور رشتوں کے احترام کا تھا۔ اسی لیے رشتہ داروں اور واقف کاروں سے ملنے سے روحانی خوشی ہوتی تھی۔ سستے زمانے نے ویسے بھی ہر جگہ کا سفر آسان بنا رکھا تھا۔

اگر ہمارے حکمران دوراندیشی اور عقل سے کام لیتے اور آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ملحوظ رکھتے کہ ''مدینہ کی (یا کسی شہر کی) آبادی کو زیادہ نہ بڑھنے دینا۔ جب اس کی آبادی زیادہ ہونے لگے تو اس سے چند میل کی دوری پر ایک نیا شہر بسا لینا'' تو ہمارے ملک کے تمام شہر ایسے بے ہنگم طریقے سے نہ پھیل چکے ہوتے۔ (اب بھی

پھیلتے ہی چلے جارہے ہیں)۔ کراچی، لاہور، راولپنڈی، فیصل آباد، ملتان کی آبادیاں جب پچاس پچاس ہزار تھیں تو ہمارے حکمرانوں کو چاہیے تھا کہ ان شہروں میں مزید مکانات، عمارات تجاوزات کی تعمیر بند کروادیتے۔ اوران سے پندرہ بیس میل کی دوری پر نئے شہر بسادیتے۔ محدود آبادیوں کے یہ شہر نہ مسائلستان بنتے، نہ بدامنی اور لاقانونیت کے شکار۔ یہ بھی خیال رکھا جاتا کہ نئے شہر بنجر اور ویران زمینوں پر آباد کیے جائیں۔ اس طرح سونا اگلنے والی زرخیز زمینیں، کھیت کھلیان اور دیہات اپنی صورت میں محفوظ رہتے۔ ان نئے شہروں میں بجلی، گیس پانی اور ہر طرح کی سہولتیں مہیا کردی جاتیں۔ سکول، کالج، یونیورسٹیاں، ہسپتال، فیکٹریاں، کارخانے لگوا دیئے جاتے۔ ان نئے شہروں کی ترقی سے ملک بھی ترقی کرتا، روزگار کے وسائل کی فراوانی ہوتی، امن وامان ہوتا۔ مگر افسوس! ہماری حکومتوں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ بجائے آبادکاری کے آبادی کو ملک کا سنگین مسئلہ قرار دیتے ہوئے اپنے قیمتی وسائل اس کی روک تھام کی کوششوں میں جھونکنے شروع کردیئے۔ اس سلسلہ میں طبی ماہرین، اہلِ قلم اور علماء تک کی خدمات حاصل کی جانے لگیں جو وضعی اور من گھڑت حدیثیں سنا سنا کر بچوں کے قبل از پیدائش قتل کو جائز قرار دینے لگے۔ ان مساعی کے کیا ہولناک نتائج نکل رہے ہیں۔ عورتوں کی صحت و تندرستی کیسے برباد ہورہی ہے۔ وہ کیسے طرح طرح کی کربناک نسوانی بیماریوں میں مبتلا ہورہی ہیں۔ بچوں کی کمی کیا گل کھلا رہی ہے۔ کس طرح خاندان کے خاندان اجاڑ رہی ہے، یہ الگ قصہ ہے۔ خود ہمارے خاندان ''قضاۃ گجرات'' کا یہ حال ہے کہ کہاں بچپن میں شادی غمی کے مواقع پر ہزار ہزار تک رشتہ دار جمع ہو جاتے تھے۔ کیونکہ ہر گھر میں درجن نصف درجن بچے ہوا کرتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ ایسے مواقع پر بمشکل سو ڈیڑھ سو افراد ہی جمع ہو پاتے ہیں۔ ہمارا خاندان اسی ''بچے کم خوشحال گھرانہ'' کے تباہ کن فارمولے کے ہاتھوں اپنی آخری ہچکیاں لیتا ہوا معلوم ہورہا ہے۔

حق یہ ہے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی بے بہا نعمت ہے۔ اس کی قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھنی چاہیے جو اس نعمت سے محروم، اسے پانے کے لیے ہر ممکن جتن کرتے رہتے ہیں۔ کسی خاندان میں پانچ یا سات بچوں کی پیدائش سے کوئی قیامت نہیں آجایا کرتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق کے دروازے کبھی بند نہیں کرتا۔ وہ سب کا رزاق اور پالنہار ہے۔ جس گھر میں جتنے بچے ہوں وہ اس لحاظ سے فائدے میں ہوگا کہ اس میں نہ صرف کمانے والے زیادہ ہوں گے بلکہ ان میں سے کچھ بڑھاپے میں ماں باپ کے خدمت گزار بھی ضرور نکل آئیں گے۔ آج کل بیٹیاں بھی ماں باپ پر کوئی بوجھ نہیں ہوتیں۔ وہ بھی کمائی کررہی ہیں اور اپنے خاندان کی کفالت کی ذمہ داریاں بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان میں گھریلو ملازماؤں سے لے کر اعلیٰ عہدیدار خواتین سب شامل ہیں۔ غربت کی وجہ سے بچوں کو فروخت کردینا، ماردینا، خودکشی کرلینا جہالت اور دینی تعلیم سے عدم واقفیت کے نتیجے کے سوا کچھ نہیں۔ جو لوگ روشن خیال بن کر ایک یا دو بچوں پر قناعت کرلیتے ہیں انہیں اچھی سے اچھی سہولتیں مہیا کرتے اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلاتے ہیں وہ ان کے مرجانے، چھوڑ جانے، نافرمان نکل جانے کی صورت میں بے حد پچھتاتے ہیں کہ زیادہ اولاد ہوتی تو کوئی نہ کوئی ہماری خدمتیں کرنے والا، ہماری نسل چلانے والا تو ہوتا۔

> جو لوگ روشن خیال بن کر ایک یا دو بچوں پر قناعت کر لیتے ہیں وہ ان کے مرجانے، چھوڑ جانے، نافرمان نکل جانے کی صورت میں بے حد پچھتاتے ہیں کہ زیادہ اولاد ہوتی تو کوئی نہ کوئی خدمت کرنے والا، ہماری نسل چلانے والا تو ہوتا

خاندانی منصوبہ بندی ''بچے کم خوشحال گھرانہ'' کا فارمولا ایک قوم، ایک ملک کے لیے سوائے ہلاکت اور تباہی کے کچھ نہیں۔ اس فارمولے پر عمل درآمد نے یورپی ممالک بشمول روس میں جس طرح شرح آبادی میں خوفناک حد تک کمی و تنزلی کردی ہے کوئی نئی بات نہیں۔ عوام کو اس فارمولے پر عمل درآمد کے لیے قسم قسم کی سہولتوں، رعایات و انعامات کی تحریص و ترغیب دینے والی وہاں کی حکومتوں کی اب آنکھیں کھلی ہیں تو بہت دیر ہوچکی ہے۔ اپنی نسلوں، قوموں کو نابودی و تباہی سے بچانے کے لیے وہ اب الٹا عوام کو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کے لالچ و تحریصات دے رہی ہیں۔ ناجائز بچوں کو اپنے زیر کفالت اور حفاظت لے رہی ہیں جبکہ ان ممالک میں خاندانی نظام اب ختم ہوچکا ہے۔ بے مہار و بے لگام آزادی نے ان کے معاشروں کو بہائم کے معاشرے بنادیا ہے۔ گھر بسانا، بچے پیدا کرنا سب کو گراں گزرنے لگا ہے۔ مردوں کی خوفناک کمی اور عورتوں کی کثرت نے شادی کے مسئلے کو ویسے بھی گھمبیر بنا رکھا ہے۔ وہاں کی عورتیں ایشیائی اور افریقی مردوں سے شادیاں رچارہی ہیں۔ اکثر ممالک کی آبادی تو اس خوف ناک حد تک کم ہوچکی ہے کہ وہاں کی حکومتوں کو اپنے ملکوں کا کاروبار چلانے کے لیے باہر کے ملکوں سے بڑی بھاری تعداد میں افرادی قوت درآمد کرنی پڑتی ہے۔ پولینڈ، سکنڈے نیویا کے ممالک ناروے، سویڈن، ڈنمارک اور بیلجیئم اس کی واضح مثال ہیں۔ پولینڈ میں صرف مصریوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ یہی حال جرمنی، فرانس اور سپین کا ہے جہاں صرف عربوں کی بڑی بھاری تعداد بستی ہے۔ روس بھی آبادی میں کمی کے مسئلے سے دوچار ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق صرف ماسکو میں سفید فاموں کی تعداد میں خوفناک حد تک کمی واقع ہوچکی ہے اور وہاں مسلمان آبادکاروں کی تعداد میں چالیس فی صد اضافہ ہوچکا ہے۔ یوں مسلمانوں کی بڑی بھاری تعداد میں روس اور یورپی ممالک میں آبادی کاری سے نہ صرف وہاں ان کی آبادی میں اضافہ ہورہا ہے بلکہ غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام اور ان کے قبول اسلام کی راہ بھی بن رہی ہے۔ وہ جس کثرت سے اسلام قبول کررہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب اکثر یورپی ممالک کا مذہب عیسائیت کی بجائے اسلام ہوگا۔

بچے، معصوم فرشتے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے لیے بے بہا دولت اور انعام ہیں۔ انہیں غربت کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے قبل از پیدائش ماردینا ایسا ہی ہے جیسے زمانہ جاہلیت میں کسی معصوم بچی کو زندہ زمین میں دفن کردینا۔ جس سے بزبانِ قرآن قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ ''تو کس جرم میں زمین میں زندہ گاڑھی گئی!''

اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے ملک کا سلگتا ہوا مسئلہ آبادی نہیں، آبادکاری ہے۔ یعنی آبادی کو صحیح اور مناسب طریقے سے مناسب جگہوں پر بسانا، آباد کرنا، اسے ہر ممکن سہولتیں مہیا کرنا اور سب سے بڑھ کر وسائل کی منصفانہ تقسیم۔

اگر قرآن کی آواز لندن اور واشنگٹن میں سنی جائے تو......

محمد رشید عمر

طاقتور لیزر سے بھی زیادہ سریع الاثر اور ایٹم بم کی قوت سے بھی زیادہ قوت کی حامل اگر کوئی شے ہے تو وہ قرآن مجید کی آیات ہیں۔ جب اسلام تیر و تفنگ کے ہتھیاروں سے مسلح نہیں ہوا تھا تو قرآن ہی وہ طاقت تھی جو مشرکین اور کفار کے جگر گوشوں کو چھین کر اسلام کی گود میں ڈال رہی تھی۔ اور آج جب کہ مسلمان روحانی اور اخلاقی دیوالیہ پن کے شکار ہو چکے ہیں قرآن ایک مقناطیسی قوت کی حیثیت سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کر رہا ہے۔ قرآن مجید کا براہ راست مقابلہ جن نظریات و افکار سے ہوا تھا، وہ شرک و کفر تھے۔ مکہ میں اس کے علمبردار اور ان افکار و نظریات کو لوگوں میں آگے لے کر چلنے والے ان کے شاعر اور خطیب تھے جن کے کلام اور افکار تازہ کی وجہ سے وہ دوسروں کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے۔ گویا بات کرنے کا ڈھنگ انہی کو آتا تھا۔ ان لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک فنون لطیفہ کے ماہر، دوسرے عرب کے معاشرتی اور تاریخی ورثہ کے حامل اور ان کو موضوع سخن بنانے والے، یعنی ایک طرف زلف گرہ گیر کے دلگیر اور لب و رخسار کے ثنا خواں، دوسری طرف آباء و اجداد کی تاریخ اور ان کے کارناموں کے قصہ خواں۔

جب قرآن کا نزول شروع ہوا اور ان کے کانوں سے آیات ٹکرائیں تو یہ اصحاب شعور و فکر مبہوت ہو کر رہ گئے۔ قرآن کی قوت تسخیر اور تاثیر نے ان کی جولانیٔ فکر کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ جس طرح عالم مجوس کے آتش کدے بجھ گئے، اسی طرح قرآن کے مقابلے میں ان کی قوت فکر بھی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ لبید جیسے شاعر سے پوچھا گیا کہ اپنے کلام تازہ کو کیوں پیش نہیں کرتے تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا ابعد القرآن؟ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔

اس پس منظر میں آج اسلام کے مدمقابل عناصر کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آج بھی دو قسم کے لوگ، دوسرے لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہیں۔ ایک فنون لطیفہ کے ماہر، دوسرے انسانی معاشرت، معیشت اور تہذیب و تمدن کے علوم کے ماہر جو انسانی مسائل کے حل کے لیے نت نئے فلسفے پیش کرتے ہیں۔ لوگوں تک ان کے نظریات اور افکار پہنچانے میں فنون لطیفہ کے ماہر اور ذرائع ابلاغ میں مذاکرات اور ٹاک شو کے ذریعے گفتگو کے ماہر دانشور لوگ شامل ہیں۔ فنون لطیفہ میں دل کو لبھانے والے کردار پیش کرنے والوں میں ایک بڑا نام ڈزنی لینڈ کا ہے۔ عالمی سطح پر نسل انسانی کے مستقبل یعنی بچوں کے ذہنوں پر اس کی تیار کردہ کارٹون فلموں کا مکمل قبضہ ہے۔ جبکہ ہالی وڈ اور بالی وڈ کے جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرنے والے دنیا کے Heroes اور Heroines کہلاتے ہیں، اور مقابلہ بازی میں جیتنے والے بے شمار خلق کے دیوتا اور دلوں کی دھڑکن بن جاتے ہیں۔ اسی طرح علوم انسانی کے ماہر اور مسائل کا حل پیش کرنے والے اپنے علوم کے باپ کہلاتے ہیں۔ باطل نظریات اور علوم کی تبلیغ و ترویج کی کوشش کسی کو بابائے جمہوریت، کسی کو آزادیٔ نسواں کا چیمپئن اور کسی کو مائیکرو فنانس کا ماہر بنا دیتی ہے۔ پروپیگنڈے کے زور پر رائے عامہ کو بنانے اور بگاڑنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ انسانی ذہنوں پر ان کا تسلط اس قدر ہے کہ انسانیت کو اس کے اصل مقصد یعنی اپنے مالک کی بندگی اور اعلیٰ ترین منصب (منصب خلافت) سے جو خالق نے اسے دیا تھا، یکسر غافل کر دیا ہے۔ ان کے اس جادو کا توڑ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اس کا ذریعہ صرف علوم قرآنیہ کی اعلیٰ علمی سطح پر نشر و اشاعت ہے۔ شیطان نے قرآن مجید جلانے کی تحریک پر اسی لیے ان کو اکسایا ہے۔ اگر وہ قرآن مجید کو جلانے سے نہیں شرماتے، جو کسی بندے کا نہیں، ہمارے اور ان کے رب کا کلام ہے تو ہمیں قرآن مجید کے زور سے باطل کی صلیب کو توڑنے میں بھی ذرا بھی پس و پیش کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن مجید کے مد مقابل بھی لوگ ہیں جو تورات اور انجیل کی آسمانی ہدایت کو ضائع کر بیٹھے ہیں۔ اس متاع عزیز کے حصول میں ناکامی کی وجہ سے حسد اور بغض میں آ کر اس ہدایت کے سرچشمے کو بند کرنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں جس سے انہیں ڈر ہے کہ ہوا و ہوس کی آگ بھڑکانے والے تمام ہتھکنڈے جنہیں انہوں نے اپنی مثالی تہذیب و تمدن کا نام دیا ہوا ہے، کہیں تباہ نہ ہو جائیں۔

قرآن مجید کی دعوت اور اس کا پڑھنا پڑھانا صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے، یہ تو پوری انسانیت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ کفر و شرک ہی کو نہیں مٹاتا بلکہ پہلی آسمانی کتابوں پر مہیمن بھی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اعلیٰ علمی سطح پر اس کے مضامین اور ان کی حکمت کو کھول کر انسانیت کے سامنے پیش کریں۔ ابلاغ میں قوت ہو، اگر قرآن کی آواز ڈزنی لینڈ میں سنی جائے تو اس کے دل لبھانے والے کرتب بے ذائقہ بن کر رہ جائیں۔ اگر ہالی وڈ اور بالی وڈ میں سنی جائے تو وہ جھوٹ کے ہیرو اور ہیروئنز حقیقی Heroes اور Herion بن کر لوگوں کے دلوں کو اللہ سے جوڑنے کا نمونہ بن جائیں۔ اس کی آواز لندن، پیرس، جنیوا، نیویارک اور واشنگٹن میں سنی جائے تو ان کی بڑی قیادتیں اسلام کے خادموں کا روپ دھار لیں۔ کلام ربانی کی معجزانہ قوت تسخیر سے یہ انقلاب کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی تاریخ انسانی میں صنم کدوں سے حرم کے پاسبان مل چکے ہیں۔ آج ایسا کیوں ممکن نہیں ہے؟ یقیناً یہ ممکن ہے، لیکن اس کے لیے اعلیٰ سطح پر باعمل علماء کے ذریعے قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کی تحریک برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح نزول قرآن کے وقت بڑے فصیح و بلیغ کلام کرنے والے، اپنی قوت فکر سے لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کرنے والے قرآن کے سامنے گنگ ہو کر رہ گئے تھے، آج کے فنون لطیفہ اور عالم دانش کو بغیر جنگ لڑے قرآن مجید سے مسخر کیا جا سکتا ہے۔

ماہ صیام کے ثمرات کو برقرار رکھیے!

ضمیر اختر خان

ماہ صیام اپنی بہاریں دکھا کر رخصت ہوا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس مقدس مہینے کا حق ادا کیا، اس کی مبارک و روح پرور ساعتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انتہائی محروم ہیں وہ جنہوں نے اس میں اپنی بخشش کا سامان نہ کیا۔ وہ لوگ جنہیں اس ماہ مبارک کا حق ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی انہیں چاہیے کہ وہ اس کے اثرات وثمرات کو باقی رکھیں۔ یہ ماہانہ تربیتی پروگرام دراصل مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کا خوگر بناتا ہے۔ جس طرح ہر تربیت کے بعد انسان کے عمل میں فرق واقع ہوتا ہے۔ تربیت یافتہ فرد اور غیر تربیت یافتہ فرد کے طرز عمل میں نمایاں چیز ان کی کارکردگی کا فرق ہوتا ہے۔ مزید براں تربیت حاصل ہی اس لیے کی جاتی ہے تاکہ انسان اپنا کام بہتر و احسن طریقے سے انجام دے سکے۔ اگر تربیت کے حصول کے بعد بھی ایک انسان کی کارکردگی میں بہتری نہیں آتی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یا تو تربیت ناقص تھی یا پھر زیر تربیت فرد میں نقص تھا کہ اس نے تربیت حاصل کرنے میں دلچسپی نہیں لی، یا اس کی استعداد کم تھی۔

اب غور کیجیے، جن اہل ایمان کو اللہ کی توفیق سے روزے رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، جنہیں تراویح پڑھنے کا موقع ملا، جنہوں نے تلاوت قرآن سے اپنی روح کی تقویت کا بھرپور سامان کیا، جو تہجد کی لذت سے آشنا ہوئے، جنہوں نے آخری عشرے کی طاق راتیں لیلۃ القدر کی تلاش میں جاگ کر گزاریں، جنہیں اعتکاف جیسی ہمہ وقت، ہمہ جہت، ہمہ وجوہ حنیفاً مسلماً کی شان والی عبادت ملی، جنہوں نے چاند رات رب کے حضور سجدے و قیام میں بسر کی اور جو بالآخر اپنے رب جل جلالہ سے مزدوری لینے عید گاہ پہنچے، کیا وہ رمضان کے بعد ان سب اعمال کو بھول جائیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن عام مشاہدہ یہ ہے کہ رمضان میں انتہائی مستعدی سے اعمال کا اہتمام کرنے والے لوگ رمضان کے فوراً بعد بلکہ چاند رات کو ہی تمام اعمال سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس بڑھیا کی سی ہے جو پورا دن سوت کات کر شام کو اپنے ہاتھوں سے اس کو توڑ ڈالتی تھی۔ اہل ایمان کو اس بڑھیا کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا:﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾ (النحل:92) ''اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے تو سوت کاتا، پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا'' روزے کا مقصد اللہ نے تقویٰ کا حصول بیان فرمایا ہے۔ تقویٰ ایمان واعمال کے لیے driving force ہے اور قرآن سے استفادے کی شرط لازم۔ اہل ایمان نے موت تک قرآنی لائحہ عمل پر چلنا ہے۔ جو توانائیاں ماہ صیام میں حصول ایمان وتقویٰ میں لگیں، ان کو کسی قیمت پر ضائع نہ ہونے دیا جائے۔

رسول ﷺ کی سیرت سے رہنمائی لیتے ہوئے ان اعمال کا اہتمام کیا جائے تو روزے کے ثمرات کو باقی رکھنے میں کافی مدد ملے گی۔ شوال کے چھ روزوں کی فضیلت احادیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ ان کا اہتمام کرنے والا صائم الدہر ہونے کا مصداق بن جاتا ہے۔ رسول ﷺ کی پیروی میں ایام بیض (چاند کی 13، 14، 15 تاریخ) کے روزے رکھنا جن کی ترغیب یہاں تک ہے کہ نبی ﷺ سفر وحضر میں ہر ماہ تین روزے رکھتے تھے۔ پیر، بدھ وجمعرات کا روزہ بھی آپؐ کی سنت ہے۔ عاشورہ کا روزہ جبکہ اس کے آگے پیچھے ایک اور روزہ ملایا جائے بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ شعبان میں آپؐ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں عمومی نفلی روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان طویل فاصلہ حائل کر دیں گے''۔ الغرض نبی کریم ﷺ کے نقش پا کی پیروی کرتے ہوئے ہم نہ صرف یہ کہ روزے کے اثرات وثمرات تادیر باقی رکھ سکتے ہیں بلکہ اس جامع تربیت کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے اپنے جملہ فرائض دینی بااحسن طریق انجام دے سکیں گے۔

ہمارے فرائض دینی میں صرف اپنی اصلاح ہی نہیں ہے بلکہ دوسروں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد بھی ہے۔ اللہ کا دین اولاً اپنے ماحول وملک میں اور بعدہٗ پورے عالم میں غالب کرنے کی سعی وجہد کرنا امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے امت کے ایک ایک فرد کو سیرت وکردار کا بہترین نمونہ پیش کرنا ہے، اور اسی کی تیاری رمضان المبارک میں کی گئی۔ اگر کوئی ہوا باز ہوا بازی کی تربیت حاصل کر کے ہوائی جہاز نہ اڑائے تو اس کو ہوا باز کوئی نہیں مانے گا۔ اسی طرح ایک مسلمان ماہ صیام کی پُرمشقت تربیت سے گزرنے کے باوجود نیکی کے غلبے اور برائی کو دبانے میں اپنی صلاحیتیں وتوانائیاں خرچ نہیں کر رہا تو وہ حقیقی مسلمان کیونکر کہلا سکتا ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی وسرفرازی ہونا چاہیے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اور قرآنی لائحہ عمل کے مطابق ایک مسلمان کی جس طرح نماز وقربانی اللہ کے لیے ہوتی ہے اسی طرح اس کی زندگی وموت بھی اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیے۔ ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ''(یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک میں حاصل کردہ تربیت کا بھرپور استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

افغانستان پر یلغار

[illegible] کی تحقیق کے مطابق
[illegible] قیام کے لیے یہ جنگ کی ابتدا کے طور پر کی

وہٹی کن چاہتا ہے کہ عالمی سطح پر اسلام کے پھیلاؤ کو روکے

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب
"Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade"
کا قسط وار اُردو ترجمہ

ترجمہ: محمد نعیم

اس کتاب کے تعارفی صفحات میں کی گئی بحث سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ امریکہ کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ پچیس دن کی قلیل مدت میں افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ اور اس پر عمل درآمد کر لے۔ اس وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی اور حملہ کے لیے بہت بڑے ذرائع، انسانی کاوشوں اور سب سے اہم چیز یعنی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے لیے ان سب چیزوں سے زیادہ اہم اس بات کی تہہ تک پہنچنا ہے کہ ہمارے زمانے کے ان وحشیوں کو اس وحشیانہ کارروائی پر کس چیز نے ابھارا۔

جو نتیجہ با آسانی اخذ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امریکی انتظامیہ کو جس چیز نے افغانستان پر یلغار پر اُبھارا، وہ اس کی یہ خواہش تھی کہ اُس کے قدرتی وسائل پر قبضہ کر کے ان کو اپنے لئے محفوظ کر لے۔ یہ خیال ان لوگوں کا بھی ہے جو نائن الیون سے متعلق سرکاری کہانی کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ افغانستان تو طویل زمانے سے موجود رہا ہے اور یہ کہ امریکہ دیگر ذرائع سے بھی افغانستان اور دوسری جگہوں میں قدرتی وسائل تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ مزید برآں افغانستان میں جو قدرتی وسائل موجود ہیں، ایسا نہیں کہ امریکہ میں ان کی کوئی قلت ہے، اور نہ ہی ان ذرائع کی کوئی کمی تھی کہ جو یونوکول اور ہالی برٹن کے ترکمانستان، افغانستان اور پاکستان کے درمیان آئل اور گیس پائپ لائن بچھانے کے لیے ضروری تھے۔ پھر امریکی انتظامیہ نے افغانستان کے خلاف ایک بلا جواز جنگ کیوں شروع کی اور یہ جنگ اب تک کیوں جاری ہے؟ اور سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ اس پائپ لائن کی اتنی اہمیت کیوں ہو گئی کہ اس کے لیے امریکہ کے ایک سرکاری اہلکار ٹام سائمن کے ذریعے ایک سخت الٹی میٹم دیا گیا، جس نے افغان حکومت کو پاکستانی وفد کے ذریعے (جو ان کے درمیان پیغام رسانی کے کام پر مامور تھا) یہ تنبیہہ کی کہ یا تو تم ہماری طرف سے سونے کے ایک قالین کا تحفہ قبول کرو، یا پھر ہم تمہیں بموں کے قالین کے نیچے دفن کریں گے۔ لی کولڈرن جو امریکی وفد کا ایک ممبر تھا، اس نے اسی اجلاس میں امریکہ کے اس الٹی میٹم کی تصدیق کی۔ وہ کہتا ہے ''میرا خیال ہے کہ وہاں پر کچھ بحث ہوئی جو اس بارے میں تھی کہ امریکہ طالبان سے اس حد تک مایوس ہو چکا ہے کہ وہ فوجی اقدام پر غور کرنے لگا ہے۔'' یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ بحث وتمحیص اور دھمکیاں نائن الیون سے بہت پہلے ہو چکی تھیں۔

پاکستان کے ایک سابق سیکرٹری خارجہ نیاز اے نائیک جو ماہ جولائی 2001ء کے دوران برلن مذاکرات میں وفد کے ممبر تھے، کہتے ہیں کہ ''انھیں بتایا گیا تھا کہ امریکہ تاجکستان سے اپنے حملے کا آغاز کرے گا، جہاں امریکی ایڈوائزر پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ ازبکستان بھی اس حملے میں حصہ لے گا اور یہ کہ 17 ہزار روسی فوجی بھی تیار کھڑے ہیں''۔ ان تمام حقائق کے باوجود اگر ہم اب بھی یہ یقین کرتے جائیں کہ امریکہ کی طرف سے جنگ کی یہ تمام منصوبہ بندی اور طالبان کو ''کارپٹ بمباری'' کی دھمکی بس تیل اور پائپ لائن کے لیے تھی تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم جان بوجھ کر اپنے آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔

کیا یہ تضاد نہیں کہ ایک طرف تو یہ بودی دلیل دی جاتی ہے کہ افغانستان پر حملہ تیل اور توانائی کے وسائل پر کنٹرول کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور دوسری جانب یہ نتائج اخذ کیے جاتے ہیں کہ افغانستان پر حملہ نائن الیون کی بربریت کی وجہ سے تھا، امریکہ ایک مدافعانہ جنگ پر مجبور ہوا۔ گزشتہ بیان کردہ حقائق بتاتے ہیں کہ طالبان کا نائن الیون کے ساتھ کوئی تعلق تھا ہی نہیں اور اسامہ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے افغانستان پر حملہ کا کوئی معقول جواز نہیں بنتا تھا کہ اس پر حملہ کر کے پھر اس پر لامتناہی مدت کے لیے تسلط قائم کیا جائے۔ حملہ کی منصوبہ بندی نائن الیون سے بہت پہلے کی جا چکی تھی اور نائن الیون کا آپریشن اتنا باریک اور پیچیدہ تھا کہ افغانستان کے غاروں میں رہنے والوں کے لیے اس کی تیاری اور اس کو آخری تفاصیل تک بروئے کار لانے کا معاملہ ناممکن تھا (باب پنجم دیکھ لیں)۔

ہر امن پسند انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یہ قدرتی وسائل کے لیے جنگ تھی، یا پھر نائن الیون کے جوابی حملہ کے طور پر برپا کردہ جنگ تھی، لیکن بدقسمتی سے معاملہ یہ نہیں ہے۔ باب پنجم میں تفصیلاً بیان کردہ شہادتیں اور منصہ شہود پر آنے والی رپورٹیں یہ بتاتی ہیں کہ اس کے پیچھے اصل محرک یہی چیز تھی کہ مسلمانوں کو متحد ہو کر اور ایک امت کی حیثیت سے رہنے اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنے سے روکا جائے۔

یہ ممکن تھا کہ ہم ان صلیبیوں کو شک کا فائدہ دے کر اس جنگ کو القاعدہ یا مہلک ہتھیاروں (WMD) کے خلاف جنگ تصور کرتے، تاہم تقریباً ہفتہ وار بنیادوں پر رمزفیلڈ اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کی طرف سے آنے والے بیانات جن میں وہ خواہ مخواہ ''خلافت'' کا تذکرہ کرتے ہیں، دورِ جدید کے ان صلیبیوں کے عزائم کو بے نقاب کر دیتے ہیں۔ آپ ذرا بش اور رمزفیلڈ کے بیانات کا تسلسل دیکھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عراق کی جنگ ''خلافت'' کے خلاف جنگ ہے۔ رمزفیلڈ نے وہی بیان ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کی ایک بریفنگ کے دوران دُہرایا۔ یہ بیان سی این این کے لیٹ ایڈیشن، سی بی ایس کے فیس دی نیشن اور پی بی ایس کے نیوز ہاور کے پروگراموں اور دوسرے نیوز شوز میں سامنے آیا۔

گارڈین اخبار کے سوزنی گولڈن برگ نے کہا تھا:

''(افغانستان پر حملے کا مقصد یہ ہے کہ) وہاں پر ایک اصلی عالمی اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے لیے طالبان کے تجربے کو ناکارہ بنایا جا سکے''

یہ بیانات دور جدید کے صلیبیوں کے ارادوں سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہیں۔ تاہم اگر کوئی اب بھی ان صلیبیوں کے اصل اہداف کے متعلق جاننے میں دشواری محسوس کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کو ظاہر میں نظر آنے والے محاذوں اور افغان جنگ کے متعلق بیان کردہ اہداف سے آگے گزر کر جانا ہوگا۔ درحقیقت یہ مذہبی نظریہ اور صلیبی جذبہ ہے جس نے ظاہری اور پوشیدہ وار لارڈز کو متحرک کر دیا ہے۔ یہ جو کھلے اور ظاہر وار لارڈز ہیں، وہ اسلام اور اس کی اہم ترین اساسات قرآن اور سنت کو چیلنج کرتے ہیں۔ اور جو در پردہ ہیں وہ آزاد خیال تجزیہ کاروں اور رپورٹروں کے بھیس میں اسی قسم کے نقطہ نظر اور اسلام کے خلاف معرکہ آرائی کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ اسے انھوں نے ''اسلام کے اندر جنگ'' (A war with in Islam) ''اور نظریات کی جنگ'' (A war of ideas) کا نام دیا ہے۔ یہ مذہبی جنگجو بسا اوقات پس پردہ رہتے ہیں، تاہم وہ بظاہر سیکولر دکھائی دینے والوں کو اخلاقی جذبہ مہیا کرتے ہیں۔ یہ بظاہر سیکولر نوقدامت پسند افراد اور ادارے ہر اس چیز کی مذمت کرتے ہیں جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق ہو۔ پھر اُن لوگوں کی تو بات ہی کیا ہے جو علانیہ کہتے ہیں کہ ''طالبان اس منہاج پر ایک نظام برپا کرنا چاہتے ہیں، جس پر محمد (ﷺ) نے برپا کیا تھا''۔ وہ در پردہ وار لارڈز جو مذہبی محاذ کے ساتھ اپنی وابستگی کو چھپاتے ہیں وہ وہی ہیں جنہوں نے ایک گھناؤنا کردار ادا کر کے مسلسل جھوٹ اور غلط فہمیوں کے ذریعے حقیقت کو مسخ کر دیا۔

> نائن الیون سے بہت پہلے امریکی سرکاری اہلکار ٹام سائمن نے پاکستانی وفد کے ذریعے طالبان حکومت کو یہ تنبیہ کی کہ یا تو تم ہماری طرف سے سونے کے ایک قالین کا تحفہ قبول کرو، یا پھر ہم تمہیں بموں کے قالین کے نیچے دفن کریں گے

غیر جانبداری، آزادی اور سیکولرازم کے پردے کے پیچھے چھپے ہوئے وار لارڈز نے نہایت مہارت سے افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی عراق جنگ پر ہر کوئی تنقید کرتا ہے جبکہ دوسری طرف ایسے لوگ بہت کم ہیں جو افغانستان پر امریکہ کی مسلط کردہ جنگ کو ناجائز اور غیر قانونی تسلیم کرتے ہوں۔ یہاں تک کہ طویل مدت سے بائیں بازو کی طرف مائل امریکی خارجہ پالیسی کے نقادوں نے بھی نائن الیون کی سرکاری کہانی کو تسلیم کیا ہے۔

جائز ہونے کے پردے کے پیچھے 21ویں صدی کے صلیبیوں کے ابتدائی معرکے افغانستان میں جاری ہیں۔ اس کشمکش کا اصل مقصد 30 مئی 2004ء کے جرمن اخبار "Welt am Sonntag" میں بعنوان "Millionem gegen Muhammad" (نعوذ باللہ لاکھوں لوگ محمد (ﷺ) کے خلاف) میں شائع ہوا۔ عنوان کے نیچے والی سطر کچھ اس طرح تھی: "Der Vatikan will wetweit die Ausbreitung des Islam stoppen" یعنی ویٹی کن چاہتا ہے کہ اسلام کے عالمی سطح پر پھیلاؤ کو روکے۔

یہی تمام صلیبیوں کا ہدف ہے۔ باقی جو کچھ ہم سنتے ہیں مثلاً بنیاد پرستی، سیاسی اسلام، اسلام ازم وغیرہ یہ صرف بہانے ہیں، جو دُنیا کو بے وقوف بنانے اور استعمال کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ اپنے ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔ واقعہ یہ ہے کہ 21ویں صدی میں صلیبیوں کی اسلام کے خلاف معرکہ آرائی کا پہلا نشانہ طالبان بن گئے ورنہ یہ جنگ بہت طویل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری صلیبی معرکہ برپا کرنے والے اسلام کا پھیلاؤ روکنا چاہتے ہیں اور ان تمام امکانات کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کو اسلامی طرز حکومت کا ماڈل قائم کرنے کے لیے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں، تاہم یہ اسلام خائف عناصر برملا یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نہیں چاہتے کہ طالبان ایک اسلامی ماڈل سوسائٹی قائم کرسکیں اور وہ طریقے اپنا سکیں جو اسلامی قانون کے مطابق حکومت کرنے میں مدد دیں۔ انھیں بعض سٹریٹجک طریقے اپنانے تھے اور خصوصی ذرائع استعمال کر کے طالبان حکومت کو بدنام کرنا تھا اور مسلمانوں کو عموماً اور افغانوں کو خصوصاً تقسیم کرنا تھا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ (نعوذ باللہ) اسلام کے اصولوں کے ذریعے حکومت کرنا زندگی کا سب سے بڑا اسفاکانہ طریقہ ہے، اور ''متمدن'' دُنیا میں اِس طرز حکمرانی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

افغانستان پر ناجائز قبضہ پر خاموشی دور جدید کے صلیبیوں کی اس سٹریٹجی کی کامیابی کی شہادت ہے، جیسا کہ باب اول تا سوم بیان کیا گیا ہے۔ ان مذہبی جذبات رکھنے والے وار لارڈز کے لیے تحریک کا ذریعہ وہ آخری مقصد ہے جو افغانستان پر حملہ کے پیچھے ہے اور جرمن اخبار کے مطابق وہ یہ ہے کہ اس ''جارحیت پسند مذہب'' (اسلام) کو روکا جاسکے اور ساتھ ہی ''عیسائی مذہب کو پھیلایا جائے''۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ خفیہ نوقدامت پسند جو میڈیا، تعلیم اور سیاست کے میدانوں پر قابض ہیں کیوں سیکولر ڈیموکریسی اور مادر پدر آزاد آزادی کے پیچھے چہرے چھپا کر مصروف عمل ہیں۔ طالبان کی حکومت امریکی پشت پناہی میں قائم حکومت سے کہیں زیادہ وسیع البنیاد تھی، اور اس میں زیادہ سے زیادہ شرکت یقینی بنائی گئی تھی۔ پھر بھی ان کو جمہوریت کے نام پر نکال باہر کرنا تھا۔ صلیبی جانتے تھے کہ اگر وہ اس جنگ کو اسلام کو گرانے اور مغلوب کرنے اور ہر دل میں عیسائی مذہب کا جھنڈا گاڑھنے کے نام پر شروع کرتے تو پھر یہ امکان نہ تھا کہ ہر کوئی اس جنگ میں کود پڑتا۔

''اللہ کی بادشاہت'' کو قائم کرنے والی بنیاد پرست عیسائیوں کی یہ جنگ کہیں سے تو شروع ہونی تھی۔ اس کے آغاز کے لیے افغانستان موزوں ترین جگہ تھی۔ گارڈین اخبار کے سوزینی گولڈن برگ نے کہا تھا: ''(افغانستان پر حملے کا مقصد یہ ہے کہ) وہاں پر ایک اصلی عالمی اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے لیے طالبان کے تجربے کو ناکارہ بنایا جاسکے''۔ امریکہ میں فرینکلین کلاسیکل سکول کے بانی جارج گرانٹ جو ایک مصنف اور استاد ہے اور کئی سال تک کورل رج منسٹریز (Coral Ridge Ministries) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر رہ چکا ہے، اپنی تصنیف "The Changing of the Guard, Biblical Principles for the Political Action" میں لکھتا ہے: ''عیسائیوں کے ذمے یہ ایک فرض کی ادائیگی، ایک مشن اور ایک مقدس ذمہ داری ہے کہ وہ یسوع مسیح علیہ السلام کے لیے زمین سازگار بنائیں۔ یہ کہ سول سٹرکچر میں بھی حکومت رہے جیسے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں خدائی امر کارفرما ہے۔ لیکن اصل میں یہ ''بادشاہت'' ہے جس کے ہم انتظار میں ہیں۔ یہ صرف نعرہ نہیں، صرف اثر انداز ہونا مطلوب نہیں، یہ بادشاہت ہے جس کے ہم انتظار میں ہیں۔ یہ صرف وقتی بات نہیں بلکہ یہ بادشاہت ہے جس کے ہم انتظار میں ہیں۔ اور یہ دُنیا کو فتح کرنا ہے۔ یہی کام ہے جو حضرت عیسیٰ نے ہمارے ذمے لگایا ہے۔ ہمیں انجیل کی طاقت سے دُنیا کو فتح کرنا ہے اور ہمیں اس سے کم تر کسی چیز پر راضی نہیں ہونا ہے۔ لہٰذا عیسائی سیاست کی بنیادی فکر دُنیا کو فتح کرنا ہے۔ ہمیں یہ فتح لوگوں، خاندانوں، اداروں، دفتروں، عدالتوں اور حکومتوں کے اوپر حاصل کرنا ہے، صرف یسوع مسیح کی بادشاہت کے لیے۔''

(جاری ہے)

اللہ کے خوف سے تر آنکھوں کو امان ہے

اوریا مقبول جان

سرطاقت کے خمار میں مست ہوں، دلوں میں عالمی، ملکی اور مقامی طاقتوں کا خوف سانپ بن کر بیٹھا ہو، دنیا بھر میں پناہ گاہیں موجود ہوں تو جبینیں ایک اَن دیکھے مالکِ کائنات کے سامنے نہیں جھکا کرتیں۔ آنکھ میں دنیا کی لذتوں کے شرارے رقصاں ہوں، چاروں جانب پھیلی چکا چوند اور پرتعیش زندگی آنکھ کے آئینے کو گدلا کر رہی ہو تو ایسی آنکھیں اللہ کے خوف سے ڈبڈبایا نہیں کرتیں۔ جسم عیش وعشرت کا دلدادہ ہو جائے، زبان نت نئی لذتوں سے آشنا ہوتی رہے، شکم بھوکے بھیڑیوں کی طرح سیر ہو کر باہر نکلتا رہے تو ایسا خمار آلود بدن عجز و انکساری سے اپنے مالک کے سامنے جھکنا بھول جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے ساتھ ہوا۔ پکارنے والے پکارتے رہ گئے لیکن نہ جبینیں سربسجود ہوئیں اور نہ آنکھوں سے خوف کے عالم سے آنسو ٹپکے۔ عجز و انکساری تو ہم مدتوں سے بھول چکے ہیں۔ کیسے لوگ ہمارے آباء واجداد کہ اگر ایک نشانی بھی ان کے سامنے ظاہر کر دی جاتی تو ان کے دل خوف سے کانپ اُٹھتے۔ وہ اپنے مالک کے سامنے گڑگڑانے لگتے۔ یہ تو میرے بچپن کا قصہ ہے۔ زیادہ دور کی بات نہیں۔ سرخ آندھی اُٹھتی تو لوگ استغفار کرنے لگتے۔ سید الانبیاء ﷺ کی اُس سنت کے مطابق کہ جب آپ بادل دیکھتے تو اپنے اللہ سے رحمت کی درخواست کرنے لگتے اور فرماتے کہ کیا پتہ ان بادلوں میں طوفانِ نوح نہ چھپا ہوا ہو۔ ہم تو طوفانِ نوح کی ایک ہلکی سی جھلک بھی دیکھ چکے۔ پورے ملک کا پانچواں حصہ پانی میں ڈوب گیا۔ اس ملک کا ہر آٹھواں شخص اپنے گھر سے دربدر ہو کر کھلے آسمان تلے بے یار ومددگار باقی سات لوگوں کی مدد کا منتظر تھا۔ ان باقی سات لوگوں میں سے کتنے تھے جو اپنے اس آٹھویں بھائی کے لیے پریشان ہو کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ کیا اس ملک کے سات لوگ مل کر ایک شخص کا دکھ نہیں بانٹ سکتے تھے۔ اُس کے نقصان کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ صرف وہی نکلے جن کے دلوں میں پہلے سے اللہ کا خوف موجود تھا۔ جنہیں آخرت کی جوابدہی کا احساس تھا۔ لیکن اس افتاد اور آزمائش میں ہم نے خوب بددعائیں سمیٹیں۔ کون سا ایسا رہنما ہے جو ان لٹے پٹے عوام کے درمیان گیا ہو اور انہوں نے چیختے چلاتے اور آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ ایک جانب اپنے ڈوبے ہوئے گاؤں نہ دکھائے ہوں اور دوسری جانب بند توڑ کر بچائی گئی فصلیں، کارخانے، محلات اور بنگلے نہ دکھائے ہوں۔ ہم نے اس آفت کی گھڑی میں آفت کا رُخ دوسروں کی جانب موڑ کر اللہ کے غیض و غضب کو دعوت دی۔ بے آسرا لوگوں کی فریادیں کہ جن کو قرآن مضطرب دلوں کی صدائیں کہتا ہے اور جن کے بارے میں اللہ دعوے سے فرماتے ہیں ”کون ہے جو مضطر دلوں کی صدائیں سنتا ہے جب وہ پکاریں“ ہم نے یہ بددعائیں جی بھر کر سمیٹیں۔ ہمارے مغرور سر ہر دروازے پر جھکے، عالمی برادری کی چوکھٹ پر ہم نے بار بار سجدہ کیا اور جھوٹے وعدوں پر تشکر کے لیے اپنی جبین پھر وہیں جھکا دی۔ مالیاتی اداروں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے، کشکول میں قرض حاصل کیا اور اُسے مسرت سے پوری قوم کو دکھایا۔ امداد آئی یا آنے کی امید ہوئی، ہمارے مسرت کی وجوہات ہی مختلف تھیں۔ ہمارے بازار امداد میں بھیجی گئی اشیاء سے بھر گئے۔ ہم نے خیرات بیچ کر دام وصول کیے۔ امداد آنے کی امید میں ہماری این جی اوز کی باچھیں کھِل گئیں۔ جو رہنما اس امداد کی آس لگائے بیٹھے تھے انہوں نے الزامات لگائے کہ کھا جائیں گی، ہڑپ کر جائیں گی، لوگوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ دوسری جانب وہ این جی اوز جن کے پاؤں کی نوک بھی سیلاب کے پانی میں گیلی نہیں ہوئی تھی انہوں نے اپنے عالمی آقاؤں کی سرپرستوں کی شہ پر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ہم نے دنیا کو ڈرایا کہ اگر تم سیلاب میں ہماری مدد نہیں کرو گے تو چہروں پہ داڑھیاں اور ٹخنوں سے اونچی شلواروں والے ”بھیانک“ لوگ فائدہ اُٹھائیں گے۔ وہ جو اپنے اللہ کے خوف سے سب سے پہلے وہاں جا پہنچے۔ جو نہ مسلح تھے اور نہ کوئی علاقہ فتح کرنے گئے تھے۔ ہم نے ان سے پوری دنیا کو خوفزدہ کر کے پیسے بٹورنے کا راستہ اختیار کیا۔ آغاز میں ملٹی نیشنلز کے غلام میڈیا کو یہ لوگ نظر آئے۔ پھر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ایک وزیرِ اعلیٰ نے اپنے صوبے میں رات دن جاگ کر ان بے خانماں لوگوں کے درمیان گزارے تو ہم نے اُسے میڈیا کوریج اور ذاتی تشہیر کا نام دیا۔ جبکہ میرا اللہ تو مدد کے لیے چھپ کر اور علی الاعلان خیرات کرنے کا کہتا ہے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو۔ لیکن ہمیں ترغیب نہ ہوئی، کیوں ہوتی ہمارے سروں میں ذاتی پسند و ناپسند کا سودا سمایا ہوا ہے۔ ہم آج بھی اتنے ہی بے حس اور لاپروا ہیں، اتنے ہی دنیا کے ہنگاموں میں مگن ہیں جتنے پہلے دن نوشہرہ پر ٹوٹنے والی سیلابی آفت سے پہلے تھے۔ نہ ہمارے سروں نے اللہ کے حضور جھکنا تھا اور نہ ہی ہماری آنکھوں نے اُس کے خوف سے ڈبڈبانا تھا۔

ہم میں سے جو باقی چودہ کروڑ تھے یہ سمجھتے رہے کہ ہم بچ گئے۔ ہم پر افتاد نہیں ٹوٹی۔ کیا مزے مزے کی بحثیں تھیں۔ اللہ صرف غریبوں کی آزمائش کیوں کرتا ہے، کچے مکان ہی کیوں سیلاب کی نظر ہوتے ہیں، مسکین ہی کیوں اللہ کے غضب کا شکار ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ آزمائش اور امتحان ان دو کروڑ لوگوں کا نہیں جو بے گھر ہو گئے، سیلاب کی نظر ہو گئے۔ یہ امتحان تو ان چودہ کروڑ لوگوں کا ہے جو اس آفت سے محفوظ رہے۔ امتحان تھا کہ وہ ان دو کروڑ لوگوں کی مدد کر کے کیسے اپنے رب کو مناتے ہیں، اپنی بلاؤں کو ٹالتے ہیں، اس کی ناراضگی کو دور کرتے ہیں۔ مدینے کی مواخات کا ذکر کرنے والے اپنی دنیا میں مگن رہے۔ انہیں یاد تک نہ رہا کہ گھر سے بے گھر ہونے والے مکہ کے لوگوں میں کیسے انصارِ مدینہ نے اپنے گھر کا سامان تک آدھا آدھا تقسیم کر دیا تھا۔ ہم سات لوگ مل کر ایک بے گھر کو پناہ نہ دے سکے اور انتظار کرتے رہے دنیاوی آقاؤں کا۔ لیکن وہ جو ان آفتوں اور آزمائشوں سے پہلے پکار رہے تھے کہ سورۃ الانعام

کی 65 ویں آیت کے مصداق تین عذاب تمہاری جانب بڑھ رہے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر عذاب کا مزہ چکھو گے۔ اللہ قادر ہے کہ تم پر آسمانوں سے عذاب نازل کرے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔ گردنیں کاٹنے کا عذاب تو ہم اللہ کی نصرت سے نہیں روکنا چاہتے تھے قوت بازو سے کچلنا چاہتے تھے۔ نتیجہ دیکھ لیا۔ مگر اہل بصیرت کے خواب تو کچھ اور کہانی سناتے ہیں۔ شہروں سے بھاگتے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں۔ آسمانوں سے بارشیں عذاب میں ڈھلیں تو ہماری منطقیں نرالی تھیں۔ لیکن میرے رحمٰن اور رحیم پروردگار نے پاؤں کے نیچے کے عذاب کو زلزلے کی صورت میں وارننگ کے طور پر لا کر ثابت کیا کہ وہ اس قدر شدید زلزلے میں بھی بچا سکتا ہے تاکہ تم لوگ سنبھل جاؤ اور اُس کی طرف لوٹ آؤ۔ 6.3 ریکٹر سکیل کا زلزلہ طویل بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن مہلت دی گئی۔ لیکن ہم کس قدر ظالم ہیں۔ زلزلے کے ان پندرہ سیکنڈوں میں ہر ظالم، راشی، متکبر، ذخیرہ اندوز سب کے سب کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے سجے سجائے گھروں کو چھوڑ کر جان بچانے کے لیے جنگل کے جانوروں کی طرح باہر بھاگتے ہیں۔ لیکن اس آفت کے ٹلنے کے بعد ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم پر یہ مہربانی کس نے کی ہے۔ وہ ہمیں باہر نکلنے کی مہلت نہ دیتا تو ہم کیا کر لیتے۔ مہلت بہت کم ہے۔ ناراضگی کا عالم ہے۔ امان صرف اُس کے مقدر میں ہے جس کی آنکھ میں میرے اللہ کے خوف اور ڈر سے تنہائی میں آنسو نکل پڑیں۔ شانِ کریمی اُسی کی حفاظت کرے گی اور اُسی کے حق میں امان کی تحریر لکھی جائے گی۔ یہ ان سچے لوگوں کی گفتگو ہے جنہیں اللہ نے بصیرت عطا کی ہے۔ غیب کا علم فقط اللہ کی ذات کو ہے لیکن اُس کی ناراضگی کی وجوہات اور اُس کو خوش کرنے کے طریقے واضح ہیں۔ اللہ کے خوف میں تر آنکھوں پر تو اُس نے جہنم حرام کر دی۔ دنیا میں امان کیسے نہیں ملے گی۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

ضرورت رشتہ

لاہور میں مقیم فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 27 سال، تعلیم BSc الیکٹرونکس، ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کر رہا ہے، کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 0344-4203231

نیوز آف دی ویک

''خس کم جہاں پاک''

ابوالحسن

خبر: ''وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو ہالی وڈ میں اداکاری کی دعوت دیتی ہوں'
وہ بہترین اداکار ثابت ہوں گے''

(اداکارہ انجلینا جولی)

تبصرہ: محترمہ انجلینا صاحبہ صرف وزیراعظم گیلانی ہی نہیں پاکستان کی ساری سیاسی قیادت چاہے اس کا تعلق حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے بہترین اداکار ثابت ہوں گے اور کل کلاں اگر ہالی وڈ قحط الرجال اور قحط النساء کا شکار ہو گیا تو پاکستان کی سیاسی قیادت یہ خلا بڑے احسن طریقے سے پُر کر سکتی ہے۔ اگر ہالی وڈ کی انتظامیہ پاکستان کے سیاسی اداکاروں کو اپنی اپنی C.V بھیجنے کا کہے تو وہ اُن کی کارگزاری پر حیران بلکہ ششدر رہ جائے گی وہ کیسے قتل کی واردات کے بعد کیمرہ مینوں کے ہجوم کو ساتھ لے کر بیوہ کے گھر پہنچتے ہیں، زمین پر بیٹھ جاتے ہیں، ناک بہتے بچے کو گود لے کر سسکیاں بھرتے ہیں، آتی مرتبہ ایک چیک مقتول کے والد کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ وہ چیک کبھی کیش نہیں ہوتا لیکن اگلے روز وہ دوسرے قتل ہونے والے کے در پر بھی حاضر ہوتے ہیں، بیوہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں، باپ کو کیش نہ ہونے والا چیک پیش کرتے ہیں اور بھائی کو سرکاری نوکری کی آفر کرتے ہیں۔ نوکری تو کبھی نہیں ملتی دفتروں کے چکر لگانے کا کام اُس کے ذمے لگ جاتا ہے۔ پھر بھی جب لیڈر اگلے انتخابات میں دونوں بازو لہراتا ہوا جلسہ گاہ میں داخل ہوتا ہے تو ساڈا لیڈر شیرا ے باقی ہیر پھیرا ے کے فلک شگاف نعرے لگتے ہیں۔ اگر ہمارے کُل سیاسی قیادت ہالی وڈ منتقل ہو جائے تو ایک طرف ہالی وڈ میں معاشی خوشحالی آ جائے گی اور دوسری طرف پاکستان میں بُہتوں کا بھلا ہوگا۔ خس کم جہاں پاک

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد (مرد حضرات) کے لیے

بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ تدریس کے زیراہتمام

فہم دین کورس

موڈیول I اور موڈیول II

04 اکتوبر 2010ء سے آغاز ہو رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

مضامین ☆ تجوید و قرأت ☆ عربی گرامر ☆ دینی موضوعات پر لیکچرز

نوٹ: موڈیول II میں داخلے کے خواہش مند حضرات کی موڈیول I میں شرکت ضروری ہے۔

دورانیہ: 3 ماہ ...... **اوقات تدریس:** مغرب تا عشاء (سوموار تا جمعہ)

داخلے کے خواہش مند حضرات

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور پُر کر کے 04/ اکتوبر 2010ء تک وہیں جمع کرا دیں

فون: 3-35869501' ای میل Email:irts@tanzeem.org

ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کا اعجاز

الطاف حسن قریشی

ڈاکٹر اسرار میرے بھتیجے، میرے ہم عمر اور ایک طرح سے میرے لڑکپن کے ہم جماعت بھی تھے اور وہ علم و عمل کی دنیا میں بہت آگے نکل گئے۔ ان کی قرآن فہمی سے ایک دنیا نے فیض حاصل کیا، مغرب نے بھی اور مشرق نے بھی۔ ان کے اُٹھ جانے سے میرا دل بہت سوگوار ہے اور ایک بھیانک خلا مجھے گھور رہا ہے۔ صاحبانِ علم و عمل اُٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے کا کوئی قابلِ اعتماد نظام سرے سے موجود نہیں۔ مدرسوں، خانقاہوں اور یونیورسٹیوں سے علم و معرفت کے بادہ خوار پیدا نہیں ہو رہے۔ وہ دینی اسکالر جو عصرِ حاضر کے لب و لہجے میں بات کر سکیں اور نوجوانوں کے ذہنوں میں شوقِ جستجو بیدار کر سکیں، اب نایاب ہوتے جا رہے ہیں اور وہ دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔ وہ استقامت اور وہ عزیمت جس کا مظاہرہ جناب ڈاکٹر اسرار نے پوری نصف صدی کے دوران کیا اور جس نے بلاشبہ لاکھوں، کروڑوں مردوزن کو متاثر کیا۔ اس کے نقش و نگار اپنی آب و تاب قائم نہ رکھ سکیں گے۔ یہی احساس مجھے ملول کیے ہوئے ہیں، مگر ڈاکٹر اسرار کی شخصیت کا اعجاز یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کا حقیقی مفہوم پا لینے کے بعد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگیاں اللہ کے رنگ میں رنگ دی تھیں اور اپنی اولاد کو اس عظیم الشان مشن کو جاری رکھنے کے لیے تیار کیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار تو اس دنیا سے چلے گئے، مگر اپنے پیچھے ایک گلزار کہکشاں چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے اور انہیں بلند درجات عطا فرمائے۔ (آمین)

ان کے والد مختار احمد صاحب میرے پھوپھی زاد بھائی تھے اور تقسیم سے پہلے ان کا زیادہ وقت حصار میں گزرا۔ ان کا تعلق درمیانے طبقے سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی ذہانت عطا فرمائی تھی۔ تقسیم کے وقت وہ ڈپٹی کمشنر کے ریڈر تھے جو حسن اتفاق سے جناب شیخ انوار الحق تھے۔ وہ پاکستان میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے منصب تک پہنچے۔ ہمارا گھرانا سرسے میں آباد تھا جو ضلع حصار کی ایک تحصیل تھی جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے 1942ء میں جناب مختار احمد کا تبادلہ سرسے کا ہوا اور وہ اہل و عیال کے ساتھ اس شہر میں منتقل ہو گئے۔ اسرار اس وقت پانچویں جماعت میں تھے اور میں اور محمد یقین بھی پانچویں میں تھے۔ یوں ہمارے رشتے داری ایک طرح سے دوستی میں بدل گئی۔ ہم تینوں ایک سال اکٹھے پڑھتے اور اکٹھے کھیلتے رہے۔ اس وقت ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش بڑھتی جا رہی تھی اور ہم اپنا مسلم تشخص قائم رکھنے کے لیے اقبال کی شاعری اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے خطبات سے فیض حاصل کرتے تھے۔ ہم نے اسکول کے اندر مسلم طلبہ کا ایک حلقہ بھی قائم کر لیا تھا جس میں اسرار نہایت اچھی گفتگو کرتا۔ اس وقت بھی اس میں قائدانہ خوبیاں موجود تھیں۔

ایک سال بعد ہمارے بھائی صاحب کا تبادلہ حصار ہو گیا اور مجھے مارچ 1947ء میں ان کے ہاں ایک ڈیڑھ ماہ قیام کرنے کا موقع ملا۔ ہمارے اسکول کا سنٹر میٹرک امتحانات کے لیے حصار بنا تھا۔ اسرار بھی اسی سال میٹرک کا امتحان دے رہا تھا، یہیں پر ہم دونوں امتحان کی تیاری بھی کرتے رہے اور حالاتِ حاضرہ پر دیر تک تبادلہ خیال بھی کرتے رہتے۔ وہ اس وقت مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں بہت فعال تھا۔ تقسیم کا مرحلہ قریب تر آ رہا تھا۔ اس میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا لٹریچر پوری گہرائی سے پڑھا تھا اور اس کا خیال تھا کہ تشکیل پاکستان کے بعد جماعت اسلامی ایک اہم کردار ادا کر سکے گی۔ ہمارے بھائی مختار ہجرت کر کے ساہیوال آباد ہو گئے اور ہمارا خاندان لاہور آ گیا۔ ڈاکٹر اسرار نے امتیازی پوزیشن کے ساتھ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کیا اور جمعیت طلبہ کی سیاست میں پوری طرح سرگرم رہے اور بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ جماعت اسلامی نے 1951ء میں انتخابات کے ذریعے تبدیلی لانے کی حکمت عملی اپنائی تھی اور ڈاکٹر اسرار اس کے دو سال بعد جماعت اسلامی کے رکن بنے اور ساہیوال کے امیر جماعت منتخب ہوئے اور غالباً دو سال بعد جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور ڈاکٹری کے پیشہ کو خیرباد کہہ کر وہ لاہور چلے آئے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے درسِ قرآن کا سلسلہ سمن آباد میں ایک گھر کی بیٹھک سے شروع کیا جس میں حاضرین کا اضافہ ہوتا گیا۔ بعدازاں وہ مسجد خضریٰ میں کئی سال درسِ قرآن دیتے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مطالعہ قرآن اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دیا۔ یہ ان کے مستقل ریاض اور غور و فکر کا اعجاز تھا کہ ان کی ہر تقریر میں ایک نئی کشش ہوتی اور وہ بحرِ ذخار میں سے ایک گوہر نایاب نکال کر لاتے جس کا ہماری سماجی، اخلاقی اور سیاسی زندگی کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا۔ قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر بیان کرتے وقت روحِ عصر کو اس میں سمو لیتے تھے اور زندگی کی حقیقی مسائل سے اس کا رشتہ جوڑ دیتے۔ وہ ایک بلند پایہ مفسر کے علاوہ ایک بہت بڑے ریفارمر بھی تھے۔ انہوں نے ہندوانہ رسوم و رواج کا سحر توڑنے کے لیے مسجد میں نکاح کی قومی تحریک شروع کی اور شادی بیاہ کی فضول رسموں اور جہیز طلبی کی سخت حوصلہ شکنی کی۔ وہ استحکام پاکستان کے محاذ پر آخری وقت تک سرگرم رہے اور اپنے تجزیوں کے ذریعے اہل وطن کو سیاسی شعور بلند کرنے کی ہمہ پہلو کوششیں کرتے رہے۔

ان کی شخصیت کا بہت بڑا اعجاز یہ تھا کہ ہر طبقے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور جس بات کا وہ درس دیتے، اس پر خود بھی عمل کرتے اور سادگی اور قناعت کا نہایت عمدہ مرقع تھے۔ انہیں اپنے علم و زہد کا کوئی زعم نہیں تھا اور وہ دوستوں کی مجالس میں جاتے اور عام لوگوں سے رابطہ رکھتے تھے۔ مزاج میں جلال کا ایک رنگ تھا، مگر وضع داری اور غم گساری کی بھی ایک شان تھی۔ دوسروں کی عظمت کا اعتراف کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے۔ ایک آخری ملاقات میں انہوں نے جناب علامہ طاہر القادری کی بڑی تعریف کی کہ اب وہ پوری یکسوئی سے قرآن فہمی کا دائرہ وسیع کر رہے ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے علم و عمل نے لاکھوں انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا ہے اور انہیں سلامتی کا راستہ دکھایا ہے اور نیکوکاروں کی ایک فوج تیار کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں کی اس قدر بارش کرتا رہے کہ ہم جیسے گناہگاروں کے نامہ اعمال کی سیاہی بھی دھل جائے!

تنظیم اسلامی گڑھی شاہو کے زیراہتمام نصف روزہ پروگرام

25 جولائی کو تنظیم اسلامی گڑھی شاہو کے زیراہتمام نصف روزہ دعوتی پروگرام ہوا۔ پروگرام کے لیے رفقاء صبح ساڑھے نو بجے مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو پہنچ گئے تھے۔ مقامی امیر نے اُن سے دعوتی کام کے حوالے سے گفتگو کی۔ بعدازاں تین تین رفقاء کو دعوتی گشت کے لیے قریبی علاقے میں بھیج دیا گیا۔ رفقاء نے ایک گھنٹہ دعوت کا کام کیا اور احباب کو پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ ساڑھے دس بجے رفقاء کی واپسی پر مقامی امیر شکیل احمد نے روزہ، قرآن اور تنظیم اسلامی کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی، جسے شرکاء نے سراہا۔ آخر میں مقامی امیر نے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کی تفصیل بیان کی اور سوال جواب کی نشست ہوئی۔ اس کے بعد رفیق تنظیم محمد فہیم نے ''رمضان اور قیام اللیل'' پر گفتگو کی۔ انہوں نے احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں قیام اللیل کی اہمیت بیان کی۔ بعدازاں نئے رفیق جناب فیصل مبین نے ''رمضان اور قرآن'' کے حوالے سے مختصراً احادیث کا مطالعہ کروایا۔ اس دوران رفقاء اور احباب کی شربت کے ساتھ تواضع بھی کی گئی۔ وقفہ کے بعد شالیمار زون کے نقیب اعلیٰ عدیل آفریدی نے ''عظمت صوم'' کے کتابچہ پر مذاکرہ کرایا، جس میں تمام رفقاء اور احباب نے حصہ لیا۔ بعدازاں یہی کتابچہ رفقاء کو ہدیتاً پیش کیا گیا۔ آخر میں مقامی امیر نے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں میں رفقاء کو شرکت کرنے کی تلقین کی، انہیں مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ انہوں نے اس ماہ کے دوران کثرت سے انفاق کی ترغیب بھی دلائی۔ مقامی امیر نے نقیب اعلیٰ کو ہدایت کی کہ ''رمضان کی تیاری'' کے موضوع پر تمام اسرہ جات میں بیان کریں، تاکہ رفقاء کو رمضان کے حوالے سے بہتر رہنمائی میسر آ سکے۔ مسنون دعا پر اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ اس پروگرام میں 40 رفقاء اور 20 احباب نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری محنتوں کو قبول فرمائے اور انہیں ہمارے لیے توشۂ آخرت بنا دے۔ آمین (مرتب: حارث بختیار خلجی)

تنظیم اسلامی نیوملتان کے زیراہتمام معاشرتی منکرات کے حوالے سے ریلی

تنظیم اسلامی نیوملتان کے زیراہتمام 25 جولائی کو معاشرتی منکرات سے آگاہی اور اُن کے انسداد کے سلسلے میں ایک ریلی کا انعقاد ہوا۔ ریلی کے شرکاء نے 5 بجے الہدیٰ مسجد میں نماز ادا کی۔ بعد نماز عصر امیر تنظیم نے انہیں ریلی کے سلسلے میں ہدایات دیں۔ اس کے بعد الہدیٰ مسجد سے انصاری چوک تک رفقاء ریلی کی صورت میں پہنچے۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد دوبارہ ریلی چوک چونگی نمبر 14 کی طرف روانہ ہوئی۔ رفقاء نے بے پردگی، فحاشی، عریانی کے خلاف بینرز اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس دوران دو رفقاء دکانداروں اور راہگیروں میں ہینڈ بل بھی تقسیم کرتے رہے۔ تقریباً 2 ہزار ہینڈ بل تقسیم کیے گئے۔ ریلی کی قیادت امیر مقامی تنظیم محمد عطاء اللہ خان نے کی۔ اس ریلی میں تقریباً 30 رفقاء نے شرکت کی۔ اخباری نمائندوں نے اس کی کوریج بھی کی۔ شام 7 بجے ریلی کا اختتام ہوا اور تمام رفقاء واپس الہدیٰ مسجد میں پہنچے اور نماز مغرب ادا کی۔ (مرتب: شوکت حسین انصاری)

حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے زیراہتمام تعارفی نشست

یکم اگست 2010ء کو حلقہ پنجاب پوٹھوہار گوجر خان کے تحت نئے شامل ہونے والے رفقاء کے ساتھ صبح دس بجے ایک تعارفی نشست ہوئی۔ اس پروگرام میں 24 رفقاء نے شرکت کی۔ ناظم حلقہ مشتاق حسین نے رفقاء سے مفصل تعارف حاصل کیا۔ منفرد اسرہ چکوال کے ایک رفیق اختر محمود بٹ نے تعارف کے دوران بتایا کہ وہ ضلع چکوال میں مسلم لیگ (ن) کے جنرل سیکرٹری کی ذمہ داری ادا کر رہے تھے اور اب استعفا دے کر تنظیم میں شامل ہوئے ہیں۔ اس کے بعد افتخار احمد نے تنظیم اسلامی کا مفصل تعارف پیش کیا۔ بانی محترمؒ اور امیر تنظیم اسلامی کے تعارف کی ذمہ داری ناظم حلقہ مشتاق حسین نے ادا کی۔ انہوں نے مبتدی تربیتی کورس میں شرکت، انفاق فی سبیل اللہ اور پابندیٔ نظم کی ترغیب دلائی۔ عثمان فاروق نے دینی ذمہ داریوں کی وضاحت کی۔ اُن کے بعد فاروق حسین کا بیان ہوا۔ انہوں نے بیعت کی اہمیت کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ مومن کے گلے میں بیعت کا قلادہ ضروری ہے۔ حافظ ندیم مجید اپنے بیان میں نے تنظیم اسلامی کے ڈھانچہ کی تشریح کی، اور ذمہ داران اور معاونین کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی، نیز بتایا کہ ایک رفیق نظم بالا سے کیسے رابطہ کرے۔ انہوں نے ذاتی احتسابی یادداشت سے رفقاء تنظیم کے بنیادی اوصاف کی بھی وضاحت کی اور اِن اوصاف پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ کھانے کے بعد یہ پروگرام اس عزم کے ساتھ اختتام پذیر ہوا کہ ان شاء اللہ ہم اپنی تمام تر صلاحیتیں دین کی خدمت اور نظم کی بہتری کے لیے صرف کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری یہ کاوش اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین!

(مرتب: محمد زمان)

سیالکوٹ میں دو روزہ تربیتی کورس کا انعقاد

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیراہتمام 31 جولائی 2010 کو قائد گرلز کالج سیالکوٹ میں دو روزہ تربیتی کورس منعقد ہوا۔ کورس کا باقاعدہ آغاز نماز مغرب کے بعد تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ تلاوت کا شرف عبدالواجد نے حاصل کیا۔ سعادت علی شاہد نے نعت پیش کی۔ گجرات سے جناب زین العابدین نے ''جماعت اور نظم جماعت کی اہمیت'' پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی کام کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ کوئی باقاعدہ نظم ہو جس کے تحت اس کام کے لئے منظم جدوجہد کی جائے۔ جب دنیا کا کوئی بڑا کام ایک تنظیم اور نظم و ضبط کا تقاضا کرتا ہے تو اللہ کے دین کی سربلندی کے عظیم مشن کے لیے جدوجہد اکیلے کیونکر ممکن ہے۔ یقیناً اس کے لیے بھی جماعت درکار ہے۔ اور یہ جماعت ایسی ہو جو سمع و طاعت کی پابند ہو۔

قلعہ کالر والا کے ایک رفیق نے احادیث کی روشنی میں تقویٰ پر گفتگو کی۔ انہوں نے بتایا کہ تقویٰ کا لفظی مطلب، بچنا، ڈرنا یا پرہیزگاری اختیار کرنا ہے۔ شریعت کی رو سے تقویٰ سے مراد ہر اس کام سے بچنا ہے جس سے رب کریم نے منع فرمایا ہو، اور ڈرنا اس بات سے کہ میرا رب کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ بعدازاں نماز عشاء ادا کی گئی۔ نماز کے بعد جناب سرفراز چیمہ نے ''مومن آپس میں رحیم ہوتے ہیں'' کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے حاضرین کو سیلاب زدگان کے لیے امداد کی تشویق و ترغیب دلائی۔ اس کے بعد رات کا کھانا ہوا اور پہلے دن کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

رات کے آخری پہر رفقاء کو تہجد کے لیے جگایا گیا۔ فجر کی نماز کے بعد سرفراز چیمہ نے تزکیہ نفس پر گفتگو کی۔ نارووال کے رفیق عثمان بیگ نے ''قرآن: آلۂ انقلاب'' کے موضوع پر بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا۔ آپؐ نے قرآن کے ذریعے لوگوں کی زندگیاں بدلیں۔ آج بھی اگر ہم انقلاب لانا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن کو آلۂ انقلاب بنانا ہوگا۔ آٹھ بجے ناشتہ ہوا۔ ناشتے کے بعد سرفراز چیمہ نے میاں محمد بخش کا کلام پیش کیا۔ ان کے بعد جناب خادم حسین نے ندائے خلافت میں ڈاکٹر صاحبؒ کے انتقال پر شائع شدہ ایک مضمون پڑھ کر سنایا۔ راقم نے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور کرنے کا اصل کام'' پر مذاکرہ کروایا۔ اس کے بعد عادل قریشی نے حالات حاضرہ کے حوالے سے مختصر گفتگو کی۔ پروگرام کے اختتام پر امیر حلقہ جناب شاہد رضا نے آخری کلمات کہے۔ بعدازاں تمام رفقاء پل ایک پر جمع ہوئے، جہاں منکرات اور امریکی غلامی کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ پون گھنٹہ کے بعد مظاہرہ کا اختتام ہوا۔ اختتامی دعا کے بعد رفقاء اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ (رپورٹ: اعجاز عنصر)

gender transition, the passport will reflect the new gender. The guidelines include detailed information about what information the certification must include. It is also possible to obtain a limited-validity passport if the physician's statement shows the applicant is in the process of gender transition."

Thus, anyone with a doctor's note confirming his or her gender confusion can receive an official U.S. passport stating as fact that he or she is the *opposite sex* from plain biological reality! The press release nonchalantly states, "Sexual reassignment surgery is no longer a prerequisite for passport issuance."

What utter confusion! Even *male* and *female* are open to redefinition in their minds. Perhaps there is no clearer illustration of the muddled thinking plaguing liberal secularists than the fact that they simply will not accept something as simple and clear-cut as male and female. In their twisted view, gender is a choice, and always opens for reinterpretation.

Again, though, all this redefining is an intellectual fraud aimed squarely at exalting deviant sexuality.

The official language being deployed by the president and the federal departments he has staffed --- "two fathers", "various parenting relationships", "LGBT families", "gender transition", "new gender" --- camouflages some grotesque realities. Gussied up to look like it is *promoting* family, this is nothing short of an aggressive assault on family.

It is impossible to encourage *both* deviant sexuality and traditional family; they are diametrically opposite. And traditional family must be vigorously promoted and defended if it is to thrive.

The Ten Commandments speak to this fact by commanding both marital fidelity ("Thou shalt not commit adultery..... [T]hou shalt not covet thy neighbour's wife") and parental authority ("Honour thy father and thy mother"). Such laws are necessary to guide us toward appropriate conduct; our baser nature always gravitates toward what is not in society's or our own long-term best interests.

Today's society is forcefully pursuing a contrary, anti-Bible agenda that is dismantling families and leading to our ruin. All history proves that strong societies begin with strong marriages and families, yet self-professed intellectuals continue heedlessly striking blows at the pillars of family life.

In our own families, we must do all we can to resist this attack. Promote and defend family as originally and *correctly* defined by the Being who created it.

(Courtesy: The Philadelphia Trumpet)

رفقاء ونقباء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ العزیز

3/اکتوبر بروز اتوار (نماز عصر) تا 9/اکتوبر 2010ء بروز ہفتہ (نماز ظہر)

"مرکز حلقہ پنجاب شمالی، (31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سوسائٹی، فلائی اوور برج I-8/4) اسلام آباد" میں

اور

16/اکتوبر بروز ہفتہ (نماز عصر) تا 22/اکتوبر 2010ء بروز جمعہ

"قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی" میں

مبتدی تربیتی کورسز

منعقد ہو رہے ہیں۔

مزید برآں

22/اکتوبر بروز جمعہ (نماز عصر) تا 24/اکتوبر 2010ء بروز اتوار (نماز ظہر)

"مسجد جامع القرآن، گلشن سحر قاسم آباد، حیدر آباد" میں

امراء ونقباء تربیتی ومشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے

زیادہ سے زیادہ رفقاء، نقباء اور امراء ان میں شامل ہوں
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ:

راولپنڈی: 0333-5382262، کراچی: 021-4993464، حیدر آباد: (022)2929434-2900341

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت تنظیم اسلامی / برائے رابطہ: 042-6316638-6366638 0333-4311226

Joel Hilliker

THERE IS NO SUCH THING AS TWO FATHERS

President Obama used this past Father's Day to show his support for homosexuals raising children. "Nurturing families come in many forms," he wrote in a presidential proclamation, "and children may be raised by a father and mother, a single father, *two fathers,* a stepfather, a grandfather, or caring guardian."

Of course, biologically there is no such thing as "two fathers." A child may be raised by his father and his father's homosexual partner, but not by "two fathers." That euphemistic term is a gross error.

In June, completely outside the purview of elected legislators, the Obama administration's Labor Department unilaterally announced that the Family and Medical Leave Act (FMLA) now covers "all families, including LGBT families." Thus, companies will now be forced to permit homosexual couples that adopt children up to 12 weeks of leave.

How could it make such a change? Simply by redefining "son or daughter" to "extend to the various parenting relationships that exist in today's world." Thus, using the president's own terminology, a child's father's homosexual partner may now legally also be considered a second "father."

"This action is a victory for many non-traditional families, including families in the lesbian-gay-bisexual-transgender community," the press release from Secretary of Labor Hilda Solis said. "An employee who intends to share in the parenting of a child with his or her same-sex partner will be able to exercise the right to FMLA leave to bond with that child."

All this language is framed to sound like it promotes family in general --- that it is just win-win-win all around. In truth, it represents the ceaseless efforts of self-professed intellectuals to popularize deviant sexuality.

They are hostile to the actual meaning of deep and wonderful words like *father, son* and *daughter,* and are eager to redefine them after their own fancies.

On July 1, the administration gave another big assist to homosexuals. Now same-sex "domestic partners" of federal employees can receive long-term care insurance benefits as if they were married; all they have to do is sign a form to receive the benefit. The president ordered the change about a year ago, when he instructed agencies to find benefits that could be given to homosexuals who live together. Under the Defense of Marriage Act, the term "marriage" cannot refer to homosexuals, but the new Office of Personnel Management regulation circumvented that law by creating the classification of homosexual "domestic partners." It *denies* the same benefits to *heterosexual* co-habitators, saying that they can get them by marrying, whereas homosexuals cannot --- yet.

On June 9, the Obama administration's State Department dropped this bombshell: "The U.S. Department of State is pleased to use the occasion of Lesbian, Gay, Bisexual, and Transgender Pride Month to announce its new policy guidelines regarding gender change in passports and Consular Reports of Birth Abroad.

"Beginning June 10, when a passport applicant presents a certification from an attending medical physician that the applicant has undergone appropriate clinical treatment for